U32914. Date 30-12-09

Title - MUTABASSIM CHEHRE.

Creator - Shafeeq Bareilvi

Publisher - Rohelkhand Press (Bareily).

Date - 1943.

Pages - 58.

Subject - Urdu Adab - Kahaniyan.

متبسم چہرے





ایم شفیق بریلوی



RAI BAHADUR, RAM BABU SAKSENA
Additional Distt. Magistrate
BAREILLY



W. F. G. BROWNE
COLLECTOR & DISTT. MAGISTRATE
BAREILLY



SYED SAFDAR HUSAIN NAQVI
B. A. LL.B., (PREV.)
TAHSILDAR,
BAREILLY.

Dedication

I feel great pleasure in dedicating this humble volume to the fighting forces of Indians overseas who have taken up the arms not only to serve the Allied cause but to rescue the world from the evil axis power and their inhuman and tyrannical methods.

M. SHAFIQ,
BARELVI.
5-6-1943,

Fore Word.

I have much pleasure in commending the excellent volume 'Smiling Faces' in Urdu written by Mr. M. Shafiq of Bareilly, for soldiers.

I am sure that the troops will enjoy the volume and be grateful to Mr. M. Safiq for his generous efforts and to L. Ram Gopal for his generously paying cost of publication.

W. F. G. BROWNE

Collector & District Magistrate,

BAREILLY.

14-6-43.

APPRECIATION

I have read with interest the symposium of short stories by Mr M. Shafiq. He is a writter of promise and has given proof of his patriotism by dedicating the fruits of his pen, free and gratis, to the serving soldiers of India.

If these stories, which are written for their entertainment, bring a smile, excite a tear or while away a moment, the object of the author is served for what is more laudable for literature just now but to subserve humanity and make it forget even for a shortime the grim tragedies of War and the stern realities of life.

RAM BABU SAKSENA
(RAI EAHADUR)

12-6-1943. *Additional District Magistrate*
BAREILLY,
Author of "History of Urdu Literature"; "European and Indo-European Poets of Urdu and Persian."

INTRODUCTION

Our patriotic soldiers are fighting incessantly in distant lands to axtirpate the Axis Powers and to keep the flag of Democracy flying. They have staked their ltves to win the Victory and to annihalate Dictatorship and authoritarian from of Government. They are carrying on an arduous struggle so that peace may once again reign in this tormented world.

These brave soldiers are stationed in lands quite different to their own in language, culture and civilization. They are no doubt welcomed there enthusiastically but in the intervals of fighting and in moments of respite their thoughts must be turning to their own homes, hearths and lands and they must be hungering for the news and literature of their own country·

Hundreds of novels, magazines and newspapers have been collected and sent to them for their diversion and relaxation and their reading is refreshing to them.

This collection of stories has been compiled to achieve the same object.

I feel great pleasure in recording that Mr. M. Shsfiq Barelvi has written these stories at my request for the delectation and entertainment of the soldiers, has agreed to get them published without reserving the outhor's rights or demanding any remuneration, An author's literary efforts are his assets and Mr. M. Shafiq is entitled to gratitude as he has

made over the fruits of his pen without any considaration and solely from a sense of patriotic duty. It is hoped that the author will make other similar contributions.

L- Ram Gopal Sahib, Member of the District War Committee, Bareilly, is entitled to my thanks as he has generously offered to bear the entire expenses of printing and has given one more proof of his patriotism and magnanimity.

It is hoped that this brochure will commend itself to those for whom it is written,

Syed Safdar Husain Naqvi
B A.. LL,B., (Prev:)
TAHSILDAR,
BAREILLY.

"انتساب"

میں اپنی اس ناچیز تصنیف کو اُن سر فروشانِ قوم و ملّت کے شمشیر بکف ہاتھوں پہ معنون کر دینے میں عین راحت محسوس کرونگا جو نہ صرف ہندوستان و برطانیہ کی خاطر بلکہ عالمگیر ظلم و ناانصافیوں کا خاتمہ کرنے کی خاطر اتحادی صفِ جنگ میں شامل ہوکر محوری درندوں کو کچل دینے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔

۱۹۹

ایم۔ شفیق بریلوی

۵رجون ۱۹۴۳ء

پیش لفظ

میں انتہائی مسرت کے ساتھ مسٹر ایم - شفیق بریلوی کی عمدہ کتاب "متبسم چہرے" کی تعریف کرتا ہوں جو انھوں نے سپاہیوں کے واسطے لکھی ہے -

اور مجھے یقین ہے کہ فوج کے سپاہی اس کتاب سے محظوظ ہو کر مسٹر ایم شفیق کی فراخدلی کا شکریہ ادا کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ لالہ رام گوپال کا بھی جنھوں نے اس کی طباعت کے مصارف برداشت کئے -

ڈبلو - ایف - جی - براؤن
کلکٹر و ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ
بریلی
۱۴ جون ۱۹۴۳ء

تقریظ

میں نے مسٹر ایم شفیق کی کہانیوں کے مجموعہ کا انتہائی دلچسپی سے مطالعہ کیا۔ یہ ایک ہونہار مصنف ہیں اور انھوں نے اپنی کاوش قلم کو ہندوستان کے ان بہادر سپاہیوں کے نام جو جنگی خدمات انجام دے رہے ہیں معنون کر کے حب الوطنی کا بین ثبوت دیا ہے۔ اگر یہ کہانیاں جو ان کی تفریح طبع کے لئے نوشت کی گئی ہیں کسی کے لب پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ یا کسی کی آنکھ میں آنسو کا ایک قطرہ لا سکیں یا صرف ایک لمحہ ہی گزارنے کا باعث بن سکیں تو مصنف کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ کیونکہ اس وقت ادب کے لئے سب سے زیادہ قابل تعریف یہی خدمت ہو سکتی ہے کہ بنی نوع انسان کے دل سے کم از کم چند لمحوں کے واسطے جنگ کی ہولناک المناکیاں اور زندگی کی تلخیوں کو فراموش کرنے میں مدد دے۔

رائے بہادر رام بابو سکسینہ

ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ۔ بریلی

مصنف تاریخ ادب اردو۔ و تاریخ شعرائے انگریز بزبان اردو و فارسی

۱۲ر جون ۱۹۴۳ء

تعارف

ہمارے ملک کے سپاہی جو محوری طاقتوں کا قلع قمع کرنے کیلئے اپنے وطن سے کوسوں دور اپنی جانوں کی بازی صرف اس لئے لگا رہے ہیں کہ جمہوریت کو فتح نصیب ہو نہ صرف اس لئے کہ ڈکٹیٹر ازم فنا ہو جائے بلکہ اس لئے کہ دنیا میں امن و آشتی کا پرچم لہرائے۔ یہ سپاہی ایسی ایسی جگہوں پر لڑ رہے ہیں اور ایسے ایسے خطوں سے گزرتے ہیں جہاں کی طرز معاشرت اور بول چال رنگ ڈھنگ سب ان سے مختلف ہوتے ہیں ایسی صورت میں یہ بہادر لوگ جب تھوڑا سا وقت آرام کا گزارتے ہیں اسوقت ان کیلئے محبوب ترین چیز جو بھی ملے ہوسکتی ہے وہ گھر کی خیریت اور اپنے ملک کی خبریں۔ اس مقصد کیلئے ہندوستان کی مختلف زبانوں کے رسائل اور اخبارات اور ساتھ ہی ساتھ بیشمار ناول ان کے پاس بھیجے جاتے ہیں کہ وہ اپنے فرصت کے اوقات میں اپنی زبان کے لٹریچر سے کچھ دیر اپنا دل بہلائیں اور پھر تازہ دم ہو کر اپنے کام پر واپس چلے جائیں۔

یہ چند افسانوں کا مجموعہ بھی اسی نیک مقصد سے شائع کیا گیا ہے

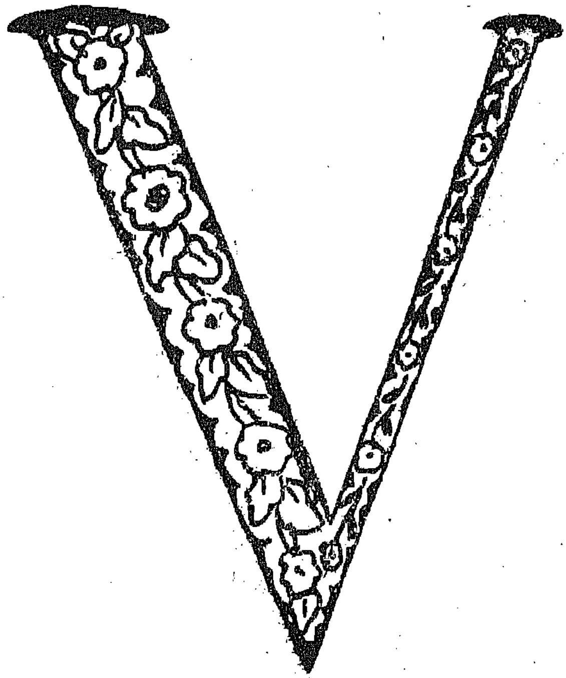
اور ہم یہ اظہار کرتے ہوئے انتہائی مسرت محسوس کرتے ہیں کہ مصنف کتاب ہذا مسٹر ایم شفیق بریلوی نے میری استدعا پر یہ ادب کا ذخیرہ قوم کے سپاہیوں کی تفریح طبع کیلئے بغیر حق تصنیف لیئے پیش کیا۔ ایک ادیب کیلئے اُس کے مضامین اسکی دولت اور خزانہ ہوتے ہیں مصنف نے اپنی کاوش قلم اس طرح نذر کرکے جنگی امداد میں بھی ادبی پیشکش کی ہے۔ ہم ان کے شکر گذار ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور بھی ذخیرہ دینگے جسے ہم اسی طرح شائع کرکے بہادر سپاہیوں تک پہنچا سکیں ساتھ ہی ساتھ ہم جناب لالہ رام گوپال صاحب ممبر ڈسٹرکٹ وار کمیٹی کے بھی ممنون احسان ہیں جنھوں نے کتاب ہذا کی چھپائی کے کل مصارف برداشت کرکے اپنی فراخدلی اور وطن کی خدمت کا جذبہ رکھنے کا ثبوت دیا۔

سید صفدر حسین نقوی

بی۔اے۔ ایل ایل بی (پریویس)

تحصیلدار صدر تحصیل

بریلی



شاعرہ

اگر ہندی انشا پرداز خواتین اپنے وہ مضامین جو بد قسمت
فقیر کے مانند کتنے ہی اخباروں اور رسالوں کے دروازہ سے مایوس
ہو کر آ چکے تھے مجھکو ارسال کر دیتیں تو میں انتہائی شکریہ کے ساتھ انکو
قبول کر کے اپنے "عذاب" نامی رسالے میں شائع کر دیتا مردوں کے
اچھے اچھے مضامین بھی ردّی کی ٹوکری میں پھینکدینا معمولی بات تھی
لیکن خواتین کے مضامین خواہ وہ کیسے ہی ہوں میں ضرور اپنے رسالہ
کے صفحات پر مرتسم کرتا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھکو صنف نازک سے
خاص ہمدردی اور لگاؤ تھا ۔ اب آپ چاہے اس کو میرے
مزاج کی رنگینی تصور کیجیے یا جوش جوانی ۔

انشا پرداز خواتین میری اس حوصلہ افزائی کی انتہائی قدر کرتیں
اور ان کے تحریری شکریوں کی میرے پاس ایک باڑھ سی آ جاتی اس
وجہ سے انشا پرداز خواتین سے میرے رسم و مراسم کافی بلند تھے ہر ماہ
میں تین چار بیویاں اور چار پانچ بیگمیں مجھ سے نیاز حاصل کرتے
ضرور آتیں اور میں ان کی خوب خاطر مدارات کرتا ۔ سینما کے فری پاس

تو ملے ہوئے تھے ہی۔ خوب ان کو سینہا دکھاتا۔

میری اس راجدھانیت پر چند ہم پیشہ لوگوں کو رقابت کا ہیضہ بھی ہو گیا لیکن اگر تھوڑی سی بھی عقل آپ کے حصے میں آگئی ہے تو اس حقیقت سے آپ خود ہی واقف ہونگے کہ کالے کے سامنے چراغ نہیں جلتا۔ خواتین مجھکو اپنے حقوق کا سب سے بڑا محافظ تسلیم کر چکی تھیں اور میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ مردوں سے تو ہمیشہ مجھکو نکتہ چینی ہی حاصل ہوئی۔ ارادتمندانہ ہمدردی کا لطف تو میں نے ان خواتین ہی میں پایا۔

ایک دن مجھکو لکھنؤ کی ایک صاحبہ کی نظم موصول ہوئی میں نے اس کو متعدد بار پڑھا۔ بڑی رنگین نظم تھی دل نے کہا:۔ "نظم اتنی اچھی ہے تو اس کی لکھنے والی نہ جانے کتنی اچھی ہو گی خط کتنا پیارا ہے اور پھر نظم کے اشعار ۔

تمھارے لئے اب بھی ہیں رو رہی ہوں ۔۔۔ نہ دن کو سکوں ہو نہ شب کو سکوں ہے

نہ پوچھو میرا حال بیحد زبوں ہے ۔۔۔ تمھارے لئے اب بھی میں رو رہی ہوں

کتنے پُر کیف اور دلکش تھے اشعار جن کے پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شعر نہیں پڑھ رہے ہیں بلکہ شراب پی رہے ہیں جس کے نشہ میں مدہوش ہوئے جاتے ہیں نظم کے آخر میں لکھا تھا زہرہ وتی ۔۔۔ نام بھی سونے پر سہاگہ تھا میں نے اسی وقت زہرہ وتی کو ایک خط نظم کے شکریہ کے

طور پر تحریر کیا۔ اور اس میں یہ بھی تحریر کر دیا کہ اگر آپ جیسی محسنہ کا مجھ کو شرفِ دیدار بھی حاصل ہو جائے تو میں اپنے آپ کو درجہ اوّل کا خوش نصیب تصور کرونگا۔

تیسرے ہی دن اس خط کا جواب میرے ہاتھ میں تھا جس میں زہرہ وتی نے بڑے جذبات آلودہ الفاظ میں احسانمندی ظاہر کی تھی۔ اور چوتھے ہی دن اپنی آمد کی بابت بھی تحریر کیا تھا۔ میں اتنی جلد اپنی مراد برآنے کی خبر پڑھکر پھولا نہ سماتا تھا۔

انتظار کی گھڑیاں بمشکل گذار نے کے بعد زہرہ وتی کی آمد کی تاریخ آئی۔ ٹرین بریلی اسٹیشن پر ٹھیک دس بجے آتی تھی لیکن میں نے علی الصباح ہی شیو وغیرہ کیا اور ایک قیمتی سوٹ زیب تن کر کے اپنی موٹر لیکر آٹھ ہی بجے اسٹیشن پہنچ گیا اور دو گھنٹہ کا وقت جو دو سال کے برابر معلوم ہو رہا تھا۔ ریسٹورینٹ میں چائے پی کر، پلیٹ فارم پر ٹہل کر، ریلوے بک سٹال پر اردو۔ ہندی۔ انگریزی کے رسائل اور اخبارات پڑھکر گذارا۔ ٹھیک دس بجے ٹرین آئی اور میں نے مسرت وانبساط کی دنیا میں ڈوب کر ٹرین سے اترنے والی ہر عورت کا جائزہ لینا شروع کیا۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ میں زہرہ وتی کی شکل سے ناآشنا تھا۔ اور زہرہ وتی نے رسالہ "عذاب" میں میری ایک تصویر دیکھی تھی۔ اس لئے مجھکو یہی تحریر کیا گیا تھا کہ میں اسٹیشن پر آجاؤں وہ مجھکو خود

پہچان لیں گی۔ اب میں ہر خوبصورت اور نوجوان سی عورت کو زہرہ ونی تصور کر کے اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کر دیتا اور وہ مجھکو دیکھکر منہ پھیر لیتی تو میں مایوس ہو کر اس کے پاس سے ہٹ جاتا۔

اب مجھ پر قدرے اضطرابی کیفیت طاری ہو رہی تھی ٹرین سے بریلی اترنیوالی تمام سواریاں پلیٹ فارم سے باہر جا چکی تھیں لیکن زہرہ ونی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

میں نے اپنی ناکامی و نامرادی پر افسوس کرتے ہوئے تھکے ہوئے ٹٹو کی طرح پلیٹ فارم سے باہر کی جانب قدم درازی شروع کردی کہ یکایک ایک بھونڈی آواز نے میرے قدموں کو روک دیا۔

"ایڈیٹر صاحب" میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک سیاہ فام فربہ اندام ادھیڑ عمر کی عورت مجھے ہاتھ کے اشارہ سے اپنی طرف بلا رہی تھی میں نے سوچا نہ جانے کون چڑیل ہے کیا کہے گی چلو بھی۔۔ اور اس کی طرف سے منہ پھیر کر تیزی کیساتھ پلیٹ فارم سے باہر نکل آیا اور موٹر میں بیٹھکر دفتر آ گیا۔

لیکن دل بےچین تھا اور کسی کام میں طبیعت نہیں لگ رہی تھی۔ دماغ میں خیالات کا طوفان امنڈ رہا تھا۔ زہرہ ونی کیوں نہیں آئی کیا اب وہ درشن نہیں دیگی؟ شاید دوسری ٹرین سے آئے۔ کاش اسکو معلوم ہوتا کہ میں اس کیلئے کتنا بےچین ہوں۔ اگر اس نے وہ نظم ؎

تمھارے لئے اب بھی میں رو رہی ہوں

خاص مجھ کو سنانے کیلئے ہی لکھی ہو۔"

یکایک چپڑاسی کے آنے سے میرے خیالات منقطع ہو گئے اس نے ایک وزیٹنگ کارڈ میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "ایک عورت آپ سے ملنا چاہتی ہے"۔۔۔ میں نے وزیٹنگ کارڈ پر نظر ڈالی لکھا تھا "زہرہ ولی"

میں نے مسرور ہو کر چپڑاسی سے کہا "جاؤ انھیں جلد یہاں لے آؤ"

ایک ہی لمحے کے بعد کمرہ کا دروازہ کھلا اور میں ان کے استقبال کیلئے کرسی سے کھڑا ہو گیا لیکن جیسے ہی میری نظر زہرہ ولی کے چہرہ پر پڑی اور آنکھوں سے ملیں جھٹکی ہی جیسی تکلیف سے دماغ چکرانے لگا۔ اور مجھ کو جبراً یقین کرنا پڑا کہ اب میرا یہ آخری وقت ہے ملک الموت میری روح قبض کرنے کے لئے زہرہ ولی کے روپ میں آیا ہے کیونکہ یہ وہ حسین مجسمہ نہیں تھا جو میری آنکھوں تصور میں تھا۔ بلکہ یہ وہ چڑیل تھی جو اسٹیشن پر مجھ کو کھا جانے کے واسطے آ رہی تھی۔

اس کی شکل دیکھ کر مجھ کو اپنی حرکت قلب بند ہو جانے کا خوف محسوس ہو رہا تھا اور میں دل ہی دل میں اس چڑیل سے جلد از جلد نجات حاصل کرنے کی کسی خاص ترکیب پر غور کر رہا تھا کہ یہ ڈائن میرے قریب آ کر بولی:۔

"کہئے مزاج کیسا ہے؟ آپ آج کچھ پریشان سے معلوم ہو رہے ہیں"

میں نے بمشکل اپنے پر قابو پا کر زبردستی مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے

کہا" جی کچھ نہیں۔ صرف بات یہ ہے کہ ابھی ابھی خبر آئی ہے کہ میرے سالے بھائی انتقال کر گئے ہیں۔ اس لئے مجھ کو رامپور جانا ہے"

زہرہ نے چونک کر اپنی شکل کو اور زیادہ مہیب بنا کر کہا۔ "تو آپ کی شادی ہو چکی ہے" میں نے کہا "جی ہاں! بلکہ دو بچے بھی ہیں"۔ وہ بولی "شاید آپ رامپور شام والی ٹرین سے جائیں گے" میں نے کہا "میں ٹرین سے نہیں جاؤنگا بلکہ موٹر سے جاؤنگا ابھی ابھی اور اسی وقت۔" وہ بولی "تو میں یہیں ٹھہروں" "آپ شاید کل تک واپس آجائینگے" میں نے کہا "مرحوم چونکہ میرے سالے بھائی تھے اس لئے میں انکے چالیسویں سے قبل نہیں آسکتا اسلئے مناسب ہے کہ آپ بھی پہلی ٹرین سے لکھنؤ واپس تشریف لے جائیں زندگی ہے تو پھر ملاقات ہوگی" گو میں دعا یہی مانگ رہا تھا کہ خواب میں بھی اس سے ملاقات نہ ہو۔ توبہ توبہ ڈائن اتنا بھی نہیں جانتی کہ شاعری کیواسطے حسن و جوانی چاہیئے اگر یہ چڑیل شاعری کرسکتی ہے تو پھر گدھا بھی گا سکتا ہے اور اونٹ بھی ناچ سکتا ہے بھتنی کی طرح تو آپ کی صورت ہے رات کو کوئی دیکھ لے تو ڈر کی وجہ سے مرجائے۔ اور آپ نے پُرجذبات اور رنگین نظم لکھی ہے۔

میں نے پھر زہرہ کو مخاطب کرکے کہا "اچھا اب میں اجازت چاہتا ہوں۔ زہرہ نحیف آواز میں بولی" اچھا تو میں بھی جاتی ہوں" میں نے کہا بہت بہتر۔ اور باہر آکر زہرہ تانگہ میں بیٹھکر اسٹیشن کی طرف روانہ ہوگئی۔

اور میں موٹر میں بیٹھکر اپنے مکان کی طرف . . . . .

× × × × × × × ×

بیگم صاحبہ

بدقسمتی سے میری شادی رامپور کے ایک ایسے بدذوق خاندان میں ہوئی جو تعلیم نسواں کے صرف مخالف ہی نہیں بلکہ دشمن بھی ہیں وہ شراب نوشی کو حلال سمجھ سکتے ہیں افیون کھانے کو جائز تصور کر سکتے ہیں حسن فروشی کو نیک کام بتا سکتے ہیں کسی حسینہ کی چوکھٹ پر جبہ سائی کرنیکو قابل فخر عبادت کہہ سکتے ہیں لیکن یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتے کہ ان کے خاندان کی کوئی لڑکی .A.B.C.D سے واقف ہو یا کسی شاعر کا کوئی شعر پڑھ سکے۔ ایسی صورت میں میری بیگم کی قابلیت کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں میرے ان کے مذاق میں زمین آسمان کا فرق ہے میں شب کو ۸ بجے کے بعد گھر سے باہر نہیں نکلتا کسی حسینہ کو دیکھکر سرد آہیں نہیں بھرتا کسی شاہد رعنا کی لالہ گوں رخساروں کو للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھتا۔ کسی فلم ایکٹرس کا فوٹو جیب میں رکھے نہیں پھرتا مگر اتنا سعادتمند ہونے پر بھی بیگم ہمیشہ مجھ سے نالاں رہتی ہیں اسکی وجہ ہے میری انشاء پردازی جو میرا محبوب ترین شغل ہے اور بیگم کیلئے باعث تکلیف نہایت پر اذیت بالکل سوکن کیطرح سوہان روح۔ وہ میرے جملہ حقوق صرف اپنے نام

محفوظ سمجھتی ہیں اور چند منٹ کی بھی میری بے التفاتی کو سنگین ترین جرم قرار دیتی ہیں۔ چنانچہ ویسے تو عام طور پر ہر روز ہی دو ایک لطیفے میرے اور بیگم کے درمیان ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں لیکن ایک دن لطیفہ نے افسانہ کی صورت اختیار کر لی یعنی دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں حسین تخیلات کو جمع کر کے ایک رومانی افسانہ لکھنے بیٹھا ہی تھا کہ بیگم نے بکمال شفقت تشریف لا کر فرمایا "کیا اس وقت بھی کچھ لکھنا ہے آپ کو؟" ——— ایسا محسوس ہوا کہ سر پر ایٹم بم نے گر کر دماغ کو پاش پاش کر دیا۔ خیالات لگے پرواز کرنے۔ میں نے منتشر خیالات کو دوبارہ یکجا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے صرف "ہوں" کہہ کر ٹالنا چاہا۔ لیکن وہ بھلا فقط "ہوں" سے مطمئن ہونے والی کب تھیں میرے قریب تشریف لا کر میرے شانے پر دست مبارک رکھتے ہوئے مکرر گویا ہوئیں "میں پوچھتی ہوں کہ کیا اس وقت بھی کچھ لکھنا ہے آپ کو؟" ——— میں نے گردن اٹھا کر ان کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا ——— "جی ہاں!" ——— بیگم نے گردن ہلا کر کہا ——— "ایسا بھی کیا لکھنا کہ آدمی اسی کام کا ہو کر رہ جائے۔ دنیا کے کسی کام کا ہی نہ رہے۔"

افتخار (بیگم کے بھائی) کو آئے ہوئے آج تیسرا دن ہے اور میں روز آپ سے کہتی ہوں کہ وہ پہلی مرتبہ دہلی آیا ہے ذرا اس کو شہر کے مشہور مقامات دکھلا لائیے لیکن آپ سنتے ہی نہیں وہ بیچارہ تنہا کمرے میں پڑا رہتا ہے آپ کو لکھنے ہی سے

فرصت نہیں جو کچھ دیر اس سے گفتگو کریں چولھے میں جائے ایسا لکھنا۔ ہر وقت لکھنا، لکھنا!! لکھنا!!!

میں نے کہا بیگم بات یہ ہے کہ خیام کے ایڈیٹر صاحب کا خط آیا ہے انکے واسطے ایک افسانہ لکھنا ضروری ہے میں اسے لکھ لوں پھر بسر و چشم تعمیل حکم کرونگا

بیگم نے سمجھنے کی کوشش کرنے سے گویا صاف انکار کرتے ہوئے کہا "آخر میں کہتی ہوں کہ ان کمبخت ایڈیٹروں کے کیا آپ ملازم ہیں کبھی مست قلندر کے واسطے افسانہ لکھا جا رہا ہے کبھی تیج و بجلی کے واسطے مضمون تحریر کیا جا رہا ہے۔ کبھی عالمگیر کے واسطے نظم لکھی جا رہی ہے کبھی روہیلکھنڈ کے واسطے غزل نوشت کی جا رہی ہے میں نے کہا اس میں ملازم ہونے کی کوئی بات نہیں کسی نے آنکھیں دیکھا کسی نے آئینہ میں۔ میں انکو مضامین بھیجتا ہوں وہ اپنے قیمتی رسائل مجھ کو مفت بھیجتے ہیں۔ اپنے رسائل میں میری تعریفیں چھاپتے ہیں میری تصانیف کا اشتہار نہایت شاندار طریقہ سے اپنے رسالے میں مفت شائع کرتے ہیں۔

بیگم منھ بنا کر بولیں "یہ سب بیکار فضول"

میں نے کہا اس وقت تو لکھ لینے دیجئے اس کے بعد آپ کی تمام باتوں پر غور کرونگا ــــ بیگم ناک بھوں چڑھا کر مجھے ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں "اچھا لکھ لیجئے میں جاتی ہوں" ......

بیگم تو خیر تنک کر چلی گئیں اور میں نے موقعہ غنیمت سمجھکر سرعت کیساتھ لکھنا شروع کیا۔

محبت قدرت کا ایک بیش بہا عطیہ ہے جو اس سے محروم ہے وہ بدنصیب ہے جس دل میں محبت نہیں وہ دل دل ہی نہیں بغیر محبت کے انسان کی زندگی نامکمل ہے صرف محبت کے نور سے دنیا منور ہے عورت مرد دنیا کی گاڑی کے دو پہیے ہیں یہ گاڑی محبت کی سڑکوں پر چلا کرتی ہے تمام کائنات کا نظام صرف محبت کی وجہ سے ہی قائم ہے آسمان سے چاند سورج اور ستارے محبت کرتے ہیں۔ زمین سے درخت پہاڑ اور دریا محبت کرتے ہیں محبت۔

میں اتنا ہی لکھنے پایا تھا کہ شوکت (میرے ولیعہد) اپنا منہ کا باجہ لئے تشریف لائے اور میرے کان کے پاس آ کر ایکدم اس زور سے بجایا۔ مجھکو ایسا محسوس ہوا کہ کوئی بڑا ہوائی جہاز کان کے اندر گھس گیا میں چونک پڑا اور قلم نے رک کر اس حادثہ پر روشنائی کا ایک آنسو کاغذ پر ٹپکا دیا۔ ولیعہد اس بات پر بہت مسرور ہوئے اور قہقہہ لگاتے ہوئے میری گود میں آ پڑے میں نے غصہ سے انکو ڈانٹتے ہوئے کہا "یہ کیا بیہودگی ہے" ــ ولیعہد نے میرے غصہ اور ڈانٹ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہنسکر کہا آپ سمجھے ہونگے کہ موٹر کان میں گھس گئی ــ میں نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے کہا جاؤ یہاں سے بیوقوف کہیں کے" ولیعہد نے پھر میری اظہار ناراضگی کو نظر انداز کرتے ہوئے مچلکر کہا "پیسہ دیجئے" ــ میں نے جھنجھلا کر ایک عدد طمانچہ انکے رخسار پر رکھدیا۔ اس پر انھوں نے وہ فلک شگاف نعرہ بلند کیا جس کو سنکر بیگم بھی پاس پہنچ

سنبھالتی ہوئی آ موجود ہوئیں۔ اور مجھ کو گھورتے ہوئے بولیں "یہ کیوں رو دیا؟" میں نے کہا اسی سے پوچھئے۔ بیگم بولیں اس سے کیا پوچھوں "آخر آپ ہی کیوں نہیں بتاتے" میں نے نحیف آواز میں کہا۔ اس نے خود ہی ضد کی اور خود ہی مچل گیا۔ پھر جو میں نے پیار کرنے کو اٹھایا تو رونے لگا۔" ولیعہد نے چلا کر کہا "پیار کب کیا تھا چنکٹ مارا تھا" بیگم نے مجھکو خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا کیا اچھے معلوم ہوتے ہیں آپ نہ کبھی بچے کو پیار کرنا۔ نہ کبھی گود میں لینا نہ کبھی بازار لیجانا۔ اور وہ بیچارہ محبت سے کبھی خود ہی آ جائے تو اسکو مارنا۔ آخر اس کا بھی کچھ حق آپ پر ہے یا نہیں؟ ہر وقت لکھنا قلم نچانا کہانی قصہ جھوٹ۔ سچ جیسے دنیا سے آپ کو کوئی واسطہ ہی نہیں ــــ میں نے یہ سوچکر کہ اب چپ شو کو ہرائے خاموش رہنا ہی مناسب تصور کیا جس کا نتیجہ بھی خاطر خواہ ہوا۔ بیگم کچھ دیر لکچر دینے کے بعد ولیعہد کو گود میں لیکر واک آوٹ کر گئیں۔ اور میں تنکر پھر افسانہ لکھنے کی طرف متوجہ ہوا۔ لیکن خیالات منتشر ہو چکے تھے اب جو میں نے ان کو یکجا کرنے کی کوشش کی تو بجائے ان خیالات کے ذہن میں یہ آتا ہے ...... اس بد مذاق عورت کو ذرا بھی احساس نہیں ــــ خدا دشمن کو بھی جاہل بیوی نہ عطا کرے ...... جیسی صورت ہے کاش سیرت بھی ویسی ہی ہوتی ...... انشا پردازی اور بیوی دونوں آپس میں سوکن ہیں ...... انشا پرداز کو شادی نہ کرنا چاہئے ...... میری زندگی

بھی ایک عجیب زندگی ہے - شوہر - باپ - انشا پرداز - داماد وغیرہ وغیرہ -
ایک اکیلی جان پر کتنی ذمہ داریاں - توبہ - توبہ

کسی نے باہر سے آواز دیکر میرے ان خیالات کو منقطع کر دیا - میں نے وہیں سے چیخ کر کہا "کون صاحب ہیں؟" — جواب ملا "میں ہوں فہمی" - یہ ایک ہفتہ وار رسالہ کے ایڈیٹر تھے - میں نے زنان خانہ کی طرف کے کواڑ بند کرتے ہوئے بلند آواز سے کہا "اندر تشریف لے آئیے" - وہ اندر آ کر کرسی پر بیٹھ گئے میں نے پوچھا "کہئے آج کیسے راستہ بھول پڑے؟" — فہمی صاحب قدرے متبسم ہو کر بولے "کوئی خاص بات نہیں - عرصہ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی - آج سوچا چلو پرانی دوستی نئی کر آئیں" — میں نے کہا "آپ کی محبت کا شکریہ - میں بھی کچھ ایسے کاموں میں الجھا رہتا ہوں کہ کہیں آنے جانے کی فرصت نہیں ملتی" — فہمی صاحب میری طرف ایک خاص نظر سے دیکھ کر بولے "آپ کو فرصت نہ ملنا کوئی تعجب کی بات نہیں - کیونکہ آپ شادی شدہ ہیں" اس کے جواب میں میں مسکرا دیا - فہمی صاحب نے بھی میری پیروی کی پھر یکایک گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے بولے "چلئے آج سینما دیکھ آئیں - بہت اچھا فلم آیا ہے "پکار"؟ کیا ہی غضب کا نام ہے پکار - اور فلم کمپنیاں تو نام رکھنا ہی نہیں جانتیں سینٹ، خاندان، سکندر، روٹی، سسرال، شاردا، بھلا یہ بھی کوئی نام ہیں نام جب نام رکھے تو ایسا رکھے "پکار" جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس فلم کا ڈائرکٹر ضرور بیسٹرک

قبل تک پڑھا ہے کہتے ہیں کہ پری چہرہ "نسیم" اور بدصورت سحر۔ آپ نے تو اس قلم میں ایسی کمال ہی کر دیا ہے۔ جلد تیار ہو جائیے بھلا روز روز ایسے نایاب قلم کہاں آتے ہیں۔"

میں حیران تھا کہ فہمی صاحب کو آج کیا ہو گیا ہے۔ کنجوسی میں نوبل پرائز لینے والے آج مجھکو سینما لیے جا رہے ہیں۔ تعجب! حیرت! فہمی صاحب نے مکرر کہا چلئے میں نے کہا فہمی صاحب مجھے تو معاف فرمائیے۔ ایک ضروری کام ہے ورنہ میں آپ کے کہنے کو نہیں ٹالتا۔ فہمی صاحب بولے۔ شاید ہوم گورنمنٹ نے آپ پر کرفیو آرڈر نافذ کر دیا ہے۔ میں نے کہا یہ بات نہیں ہے واقعی مجھکو آج ضروری کام ہے۔ فہمی صاحب بولے خیر ایک چھوٹا سا کام مجھکو بھی آپ سے ہے — میں نے کہا فرمائیے۔ فہمی صاحب بولے۔ شاید آپ کو علم ہو کہ میں اپنے رسالہ کا "قیامت نمبر" نکال رہا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ قیامت نمبر صحیح معنوں میں قیامت نمبر ہو جو تمام عالم میں قیامت برپا کر دے اس لئے میری خواہش ہے کہ آپ کے شہ پارے بھی اس کے صفحات کی زینت ہوں۔ ویسے تو ہر ڈاک سے ایک دو مضمون۔ دو چار نظمیں۔ چار چھ نگارشات ہائے جمیلہ موصول ہوتے رہتے ہیں لیکن غیر معروف مبتدی حضرات کے جو اپنے نام سے قبل ایڈیٹر کی زحمت بچانے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ ان کے خود حاصل کردہ لقب کہیں کتابت ہونے سے رہ جائیں خود ہی تحریر فرما دیتے ہیں۔ علامہ مصور جذبات نقاش

قدریت، سکاس فطرت۔ رئیس العلم وغیرہ وغیرہ جن کے ادب لطیف یا نگارش
جمیل سے خدا بچائے نظموں کے عنوان سفید خون۔ ہمالیہ کی چیخ۔ الفت کا جنازہ
موٹر کا ہارن۔ نور کی لڑکی۔ اور افسانوں کے عنوان عشق کا ہیضہ۔ محبت کا بخار
چرچل کا سگار ہٹلر کی مونچھ۔ چیمبرلین کی چھتری۔ گاندھی کا چرخہ۔ علامہ مشرقی
کا بیلچہ۔ جناح کا مونہ۔ توبہ۔ توبہ! سچ کہہ رہا ہوں کہ اس طوفان بدتمیزی کو
دیکھکر یہ دل چاہتا ہے کہ کپڑے پھاڑکر میدان جنگ کی طرف چل دوں
ہاں قیامت نمبر کو مصور بنانے کیلئے میں نے خورشید۔ مادھوری۔ زمولا۔
سبیتا اور روشنی کی تصویریں حاصل کرلی ہیں۔ اور خورشید کی تصویر پر ساحرہ مادھوری
پر ضعیف دوشیزہ۔ زمولا پر خوبصورت ناگن سبیتا پر لٹی ہوئی بہار۔ اور روشنی کی تصویر پر

یہ شعر ؎

ابھی کمسن ہو رہنے دو کہیں کھو دوگے دل میرا
تمہارے ہی لئے رکھا ہے لے لینا جواں ہوکر

لکھکر شائع کرونگا۔ انہیں عنوان پر آپ نظمیں بھی تحریر فرمائیے اور صرف ایک
مزاحیہ افسانہ اس سے زیادہ میں آپکو زحمت دینا نہیں چاہتا۔ میں نے کہا۔ میں
تعمیل حکم کی کوشش کرونگا۔ فہمی صاحب بولے میں کوشش ووشش کو نہیں
جانتا۔ آپ اسی ہفتہ میں یہ سب کچھ لکھ دیجئے۔ آپ میرے دوست ہیں۔ اور
دوست بھی کیسے درجہ اول کے کیا میرا آپ پر اتنا بھی زور نہیں؟ میں نے ان
سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے کہا بجا فرماتے ہیں آپ بالکل مطمئن رہیں میں

انشاءاللہ آپ کے حسب الارشاد سب تحریر کردونگا۔ آپ لوگوں کی خدمت کرنا تو میرا فرض ہے ۔۔۔ "فرض" فہیمی صاحب نے کہا۔ یہ آپ کا اخلاقِ عظیم ہے۔ اچھا اب اجازت دیجئے۔۔۔" میں نے بھی کہا۔ خدا حافظ!

فہیمی صاحب سے نجات ملنے کے بعد میں نے گھڑی کیطرف دیکھا تو تقریباً چھ بجے تھے میں نے زنانخانہ کی طرف قدم درازی کرتے ہوئے یہ خیال کیا کہ کھانا تناول کرلوں پھر جبلی گارڈن کی طرف ٹہلنے جاؤنگا۔ لیکن کیا دیکھو لکر جو میں نے زنانخانہ کی طرف قدم رکھا تو میرے حواس گم ہوگئے بیگم سوٹ کیس میں کپڑے وغیرہ رکھنے میں مشغول تھیں اور میرے سالے صاحب محترم بستر باندھ رہے تھے شوکت نے مجھکو دیکھتے ہی آنکھیں مٹکا کر گویا مجھکو چڑانے کی غرض سے کہا ہم تو نانا کے یہاں جارہے ہیں۔ بیگم نے تیوری میں بل ڈالکر مجھکو گھورا اور اپنے کام میں مشغول ہوگئیں۔ سالے صاحب نے بستر چھوڑکر میرے قریب آتے ہوئے کہا۔ بھائی صاحب باجی میرے ہمراہ رامپور جارہی ہیں۔ اس وقت میرے دل کی حالت خدا ہی جانتا تھا۔ لیکن میں عادت سے بھی مجبور تھا۔ میں نے بے پروائی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ جارہی ہیں تو لیجاؤ۔ مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟

بیگم تو بھری بیٹھی تھیں۔ بھڑک اٹھیں۔ ان سے کیا پوچھتے ہو۔ ان کیلئے تو میرا جانا باعثِ مسرت ہوگا۔ وہ ناز دلائینگے ناز! وہ تو یہ چاہتے ہی تھے۔ ان کے سسر تو بلا ٹل جائیگی نہ کوئی کہنے والا ہوگا نہ کوئی سننے والا۔ دن بھر لکھیں یا رات بھر

میں نے سنجیدگی سے کہا اگر آپ کو رامپور جانا ہے تو خوشی سے جائیے لیکن مجھ پر بہتان کیوں گھڑتی ہیں۔ بیگم جھنجھلا کر بولیں۔ اچھا بہتان ہی سہی۔ دروازہ پر افضل ملازم نے آواز دی سرکار تانگہ آگیا۔ بیگم نے افتخار سے کہا چلو تانگہ میں اسباب رکھواؤ۔ مجھکو ایسا محسوس ہوا کہ عنقریب میری حرکت قلب بند ہونیوالی ہے۔ بیگم کی سواری اسٹیشن کیطرف روانہ ہوگی ادھر میرا جنازہ قبرستان کیطرف۔ میں نے گھبرا کر ارادہ کیا کہ بیگم کے آگے دست بستہ عرض کروں کہ میں آج سے انشا پردازی پر لعنت بھیجتا ہوں۔ قلم، دوات، پیڈ وغیرہ کو ابھی نذر آتش کئے دیتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں تمہارے سر کی کہ آئندہ کبھی قلم کو چھونے تک کا خیال نہ کرونگا۔ مگر تم خدا کے واسطے مجھ کو داغ مفارقت نہ دو۔ مجھ سے علیحدہ ہو کر مجھکو تنہا نہ چھوڑو۔ خودداری نے میری زبان پکڑ لی بیگم نے دروازہ کی طرف قدم بڑھایا۔ اور میں نے مکرر کوشش کی کہ بیگم کا ہاتھ پکڑ کر روک لوں۔ مگر احساس خودداری نے قدم پکڑ لئے بیگم تانگہ میں سوار ہوئیں۔ تانگہ اسٹیشن کی طرف روانہ ہوا میں مضطرب ہوگیا۔ دماغ چکرانے لگا۔ خون کی روانی میں کافی تیزی ہوگئی۔ خیال کیا کہ چلو ابھی وقت ہے خوشامد درآمد کر کے اسٹیشن سے بیگم کو واپس لے آؤں۔ قدم دروازہ سے باہر نکالا کہ دل نے کہا:۔ یہ خیال اچھا نہیں ایسا کرنا ایک عظیم الشان شکست ہوگی اور اپنی شکست بیگم کو مغرور بنا دیگی جانے دو۔ دو چار دن کے بعد جب غصہ اتر جائے گا تو خود ہی آجائینگی۔ میں مکان واپس لوٹ آیا۔ تمام مکان بے رونق معلوم ہوتا تھا

ہر چیز مہیب نظر آ رہی تھی۔ افضل نے کھانے کے واسطے کہا میں انکار کرتے ہوئے اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ کھانا کیا خاک کھاتا ہمیشہ بیگم کے ہمراہ کھاتا تھا۔ اور اب تنہا کھانا پڑتا میں ایک طویل اور سرد آہ بھر کر مسہری پر دراز ہو گیا اور ایک منصف مزاج جج کی طرح بیگم کو مدعی اور اپنے کو مدعا علیہ تصور کرتے ہوئے اپنے مقدمہ پر غور کرنا شروع کیا کہ مجرم میں ہوں یا بیگم۔ تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ واقعی قصوروار میں ہوں .... عورت کبھی قصور نہیں کرتی یہ عورت کی فطرت ہے۔ اور جو قصور عورت کے سر تھوپا جاتا ہے وہ حقیقت میں مردوں کا قصور ہوتا ہے عورت دنیا کی بڑی سے بڑی تکلیف بخوشی برداشت کر سکتی ہے لیکن اپنے شوہر کی بے التفاتی نہیں برداشت کر سکتی۔ صبح ہوئی۔ شام ہوئی۔ اسی طرح ہجر و فراق کی اذیت اٹھاتے مجھکو چار دن ہو گئے لیکن بیگم واپس نہیں آئیں۔ اور نہ کوئی انکا خط ہی آیا۔

اب میری بےچینی انتہائی درجہ پر پہنچ چکی تھی اپنے مکان پر سکوت کی وجہ سے مجھکو بعض وقت قبرستان کا دھوکہ ہونے لگتا۔ دل نے کہا بیگم کو ایک ٹیلیگرام دو کہ میں یکایک بہت زیادہ بیمار ہو گیا ہوں اتنا زیادہ کہ زندہ بچنے کی توقع نہیں ہے یہ چال بہت کامیاب ہو گی بیگم گھبرا کر فوراً ہی چلی آئینگی میں سر پٹختے ہوئے پوسٹ آفس پہنچا۔ اور ایک ارجنٹ ٹیلیگرام بیگم کے نام اڑا دیا جیسا نتیجہ بھی خاطر خواہ ہوا پہلی ٹرین سے بیگم آ موجود ہوئیں لیکن ٹیلیگرام کی اطلاع کے برعکس مجھکو بدستور سابق تندرست دیکھکر نہایت غصہ کے ساتھ بولیں۔ آپ نے مجھکو جھوٹا تار دیکر

کیوں بلایا۔ آپ کو تو میری پرواہ ہی نہیں ہے پھر ایسا کیوں کیا۔ میں نے اب مصمم قصد کر لیا تھا کہ بیگم سے معافی مانگ لونگا جہنم میں جائے ایسی خودداری کہ چار دن سے نہ کھانا پیٹ بھر کے ملا ہے اور نہ سونا نیند بھر کر لیکن معافی مانگی جاتی ہے تنہائی میں۔ اور یہاں میرے ولیعہد شوکت اور افتخار موجود تھے بیگم پھر گویا ہوئیں۔ آخر آپ نے مجھکو دھوکہ دیکر کیوں بلایا؟ میں اپنے کمرہ کیطرف چلدیا بیگم بھی میرے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں۔ میں پوچھتی ہوں کہ مجھکو اس طرح کیوں بلایا۔ آپ کو تو قلم دوات۔ کاغذ سے زیادہ کسی سے محبت ہی نہیں ہیں کمرہ کے اندر پہنچکر رک گیا بیگم بھی آکر میرے قریب کھڑی ہوتے ہوئے بولیں۔ آپ جواب کیوں نہیں دیتے ہیں آپ سے پوچھتی ہوں مجھکو اس طرح دھوکہ دیکر بلانے کا مطلب۔

میں نے بیگم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر مسکراتے ہوئے کہا۔ مطلب یہ بیگم ذرا سے متبسم ہوئیں میری حوصلہ افزائی ہوگئی فوراً ان کے حنائی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر نہایت عاجزانہ انداز میں کہا۔ مطلب یہ کہ میں معافی مانگتا ہوں مجھکو معاف کردو۔ مجھکو بہت کافی سزا مل چکی ہے۔ تمہاری جدائی کے یہ چار دن کیسے روحانی تکلیف اور راتیں کس بیقراری میں گزری ہیں میں ہی جانتا ہوں اب میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی حکم عدولی نہیں کرونگا۔ اب معاف کردو۔ بیگم نے محبت بھری نظر سے میری طرف دیکھا۔ اور پھر گلے سے لگ گئیں اور سارا گلہ جاتا رہا۔

× × × × × × × × ×

بکواس

بعض لوگوں کو فضول بکواس کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ جی ہاں صاحب شوق ہی جو ٹھہرا۔ اور پھر یہ شوق کوئی معمولی شوق نہیں کبھی آپ یہ سمجھیں کہ یہ اس کے مترادف ہے۔ جیسے میر صاحب کو بٹیر کا شوق پتّن خاں کو پتنگ کا شوق خواجہ صاحب کو نسوار کا شوق اور نواب صاحب کو آم کا شوق ... یہ سب کچھ ہیچ ہیں۔ ان لوگوں کا شوق من تو شدم تو من شدی کے تمام مدارج طے کر چکا ہوتا ہے۔ اب وہ ہوتے ہیں اور بانیں۔ واہیات بکواس ہے اور وہ یا تو ہر وقت کوئی نہ کوئی سوال کرتے رہنے کے عادی ہوتے ہیں یا اپنے کارنامہ ہائے زندگی بہت ہی رنگین پیرایہ میں بیان کرتے رہتے ہیں .... درحقیقت میں فضول بکواس کا شوق ایک مہلک بیماری ہے! ارسطو جالینوس اور لقمان! دنیا میں اگر کسی بیماری کے علاج میں ناکامیاب رہے ہیں تو وہ صرف یہی بیماری تھی۔ دق۔ جذام۔ کوڑھ۔ دمہ۔ سوزاک۔ آتشک وغیرہ جیسی بیماریوں کے شکار کی فہرست اتنی مضر نہیں ہوتی جتنی کہ اس بیماری رکھنے والے کی یکجائی مہلک ہے۔

گزشتہ گرمیوں میں کوہ مصوری کی بلندیوں پر پہنچکر میں سمجھ رہا تھا کہ شاید مجھے یہاں دماغی سکون ملجائے گا۔ کیونکہ یہاں مجموعہ احباب یا یوں کہئے کہ پریشان کرنیوالے لوگوں کا مجمع نہیں ہوگا۔ بلکہ اطمینان ہی اطمینان ہوگا لیکن میں جس ہوٹل میں مقیم ہوا اسی ہوٹل میں میرے کمرے کے برابر ہی والے کمرے میں پنجاب کے ایک خوش فکرے خاندان کے ایک فرد فروکش تھے اور یہ میری انتہائی بدقسمتی تھی۔ کیونکہ یہ حضرت فضول بکواس کی بیماری میں بری طرح مبتلا تھے .... ابھی میں ہوٹل کے کمرے میں اپنا اسباب درست کرنے ہی میں مصروف تھا کہ جناب نے کیواڑوں میں سے جھانکتے ہوئے بہت بے تکلفی کے ساتھ فرمایا :۔ کیا اس کمرے میں آپ تشریف لائے ہیں؟ کیا آپ آج ہی آئے ہیں؟ کیا آپ ابھی تشریف لائے ہیں؟ کیا آپ اسباب درست کر رہے ہیں؟ کیا آپ تنہا ہی ہیں؟ اور اس کے بعد کیا میں اندر آسکتا ہوں؟؟؟ ــــ اب میں حضرت کی شکل مبارک دیکھ رہا تھا اور اس سوچ میں تھا کہ یہ کون ذات شریف ہیں اور ان کے کس سوال کا جواب پہلے دوں۔ کہ ایکا ایکی جناب میرا رُخ اپنی جانب دیکھکر اس برق رفتاری سے کمرہ کے اندر داخل ہوئے کہ میں یہ سمجھا شاید میری حجامت بنانے آرہے ہیں۔ اسلئے میں جلدی سے میز کی آڑ میں کھڑا ہو گیا لیکن جب قبلہ کمرے میں آکر مسکرانے لگے تو میں اپنی غلط فہمی پر بیحد پشیمان ہوا اور انکو بیٹھنے کو کہا

میز کی آڑ سے نکلا۔ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرتے ہوئے زور سے
کہا۔ پہلے ہم دونوں کا مکمل تعارف ہو جانا چاہئے۔ میں نے اپنا ہاتھ چھڑاتے
ہوئے کہا۔ ضرور! آپ نے ہنسکر کہا۔ تو پہلے میری ہی باری سہی میں
پنجاب کا ساکن ہوں اور میرا نام اے۔ بی۔ سی۔ ڈی امتیاز علی آیات خاں ہے
میرے والد قبلہ کا نام۔ ارے وہ تو ہندوستان کے سب سے زیادہ مشہور آدمی ہیں
وائی۔ زیڈ سر قلندر آیات خاں۔ آپ نے بھی ان کا نام ضرور سنا ہوگا۔ کیوں؟
یہ کہکر وہ میرے جواب کے انتظار میں خاموش ہو گئے۔ میں نے بھی پیچھا چھڑانے
کی غرض سے کہہ دیا۔ جی ہاں۔ ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ ان کے نام
سے خوب واقف ہوں۔ اس پر جناب شیخ مسٹر ہو کر پھر اپنا سلسلہ کلام شروع کر دیا
کیا۔ ہاں جناب تو میں آپ سے یہ عرض کر رہا تھا کہ ہندوستان بھر میں صرف
ہمارا ہی خاندان ایک ایسا باوقار اور باعزت خاندان ہے جس سے گورنمنٹ
برطانیہ سب سے زیادہ محبت کرتی ہے۔ اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ گوری قوم
کبھی احسان فراموش نہیں ہوتی۔ ۱۸۵۷ء میں جب باغیوں نے سر اٹھایا
تو ہمارے خاندان نے نہ دولت کی پرواہ کی اور نہ جانوں کی۔ اور حکومت
کی ہر امکانی مدد کر کے فرض شناسی کا ثبوت دیا۔ پھر جب باغیوں کو شکست
ہوئی تو ہمارے خاندان کا بچہ بچہ دولھا بنا دیا گیا۔ ہم کو جاگیریں دی گئیں۔
خطابات عطا کئے گئے یعنی ہم نے جو کچھ کیا تھا ہم کو اس سے کہیں زیادہ

اس کا معاوضہ مل گیا لیکن برٹش حکومت کی شرافت ملاحظہ فرمائیے کہ آج بھی وہ ہماری ویسی ہی ممنونِ احسان ہے۔ گو یہ ضرور ہے کہ ہمارا خاندان بھی اپنے فرض کی ادائیگی سے کسی لمحہ بھی غافل نہیں۔ موجودہ جنگ میں بھی ہمارے خاندان نے ابتک کم از کم پچاس کروڑ روپیہ جنگی کاموں میں خرچ کیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ میرا بھتیجہ ٹیونیشیا میں دشمن کے پندرہ ہوائی جہاز برباد کرنیکے بعد ٹینک سے کچلا گیا۔ میرے پھوپا کا لڑکا فرانس میں قید ہو گیا۔ میرے ماموں نے اکیلے برما میں پانچسو جاپانیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور میرے سگے دو بھائی آجکل محاذِ جنگ پر ناقابلِ بیان بہادری کے جوہر دکھا رہے ہیں۔ خدا کی قسم۔ محاذِ جنگ پر جانے کو تو میرا بھی بہت دل چاہتا ہے تاکہ ان مجوسی درندوں کا میں خود بھی خون چوس سکوں لیکن والد صاحب محترم مجھکو روکے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دو بھائی محاذِ جنگ پر اپنا فرض ادا کر رہے ہیں تم یہاں اپنا فرض ادا کرو۔ گھر کا کام دیکھو۔ جنگ کے واسطے چندہ کرو۔ اے۔ آر۔ پی میں حصہ لو۔ نیشنل وار فرنٹ میں سرگرمی دکھاؤ۔ وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا۔ اوہ! بالکل بھول گیا۔ آپ بھی تو بڑے مہربانی اپنا تعارف فرمائیے"۔ نے قدرے گھبراہٹ کے ساتھ کہا۔"

میں حیران تھا کہ یہ حضرت تعارف ہی کراتے کراتے اتنے روایات بیان کر سکتے ہیں تو جب کسی موضوع پر گفتگو کریں گے تو کتنے دفتر کے دفتر پڑھ دینگے میں اچھی طرح آگاہ ہو گیا کہ ان کو فضول بکواس کی بیماری ہے۔ اور میں اس بیماری کے بڑے سے

ایسا گھبراتا ہوں جیسے برطانوی بمباروں سے جاپانی۔ اس لئے میں نے پیچھا چھڑانے کیلئے تولیا کندھے پر ڈالتے ہوئے اور صابن دانی ہاتھ میں اُٹھاتے ہوئے کہا۔

جناب مجھکو نا شقند کہتے ہیں اور میں یو۔پی کے ایک ہونہار سادہ اطوار شہر بدایوں کے ایک بڑے مقتدر وکیل مرزا سربلند کا چھوٹا لڑکا ہوں۔ اور بس! یہ کہکر میں نے غسلخانہ کا رخ کردیا۔ آپ بولے:۔ ارے کیا آپ نہانے جارہے ہیں؟ میںنے ان کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا — جی نہیں، میں ذرا ڈانس کرنے جارہا ہوں۔ اس پر آنجناب نے ایک قہقہہ لگایا اور میں غسلخانہ کی طرف چلدیا۔ مجبوراً ان کو بھی اپنے کمرے میں جانا پڑا — غسل سے فارغ ہوچکنے کے بعد میں کپڑے پہن رہا تھا کہ شیطان کیطرح جناب پھر نازل ہوگئے اور اپنے مخصوص لہجہ میں بولے:۔ "اوہو! کیا آپ کپڑے پہن رہے ہیں؟" — میں نے بیساختہ جواب دیا — "جی نہیں! شاید آپ کی نظریں دھوکہ کھارہی ہیں میں تو سارنگی بجارہا ہوں —" اس جواب پر وہ کچھ خاموش ہوگئے لیکن چند ہی سکنڈ بعد زبردستی وہ مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولے — "آپ بہت ہی دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں —" میں نے کہا:۔ "آپ سے زیادہ نہیں"۔ یہ کہکر میں کھانا کھانیکے واسطے چلنے لگا۔ اور سمجھا کہ شاید میرے ان الٹے پلٹے جوابوں سے یہ خود ہی بددل ہوکر چلے جائینگے۔ لیکن صاحب وہ کیوں بددل ہونے لگے۔ فوراً بولے:۔ "تو پھر آپ چلدئے۔ آخر کہاں؟ میںنے کہا" کھانے کا قصد ہے"

آپ چونک کر بولے " ارے کھانا ــ کھانا تو ابھی میں نے بھی نہیں کھایا ہے چلئے ہمراہ ہی کھائینگے میں نے کہا ــ" اوہ ! تو کھانا آپ بھی کھاتے ہیں میرا تو خیال تھا کہ شاید آپ کا شکم مبارک باتوں سے ہی بھر جاتا ہوگا۔ اچھا خیر تو چلئے میں اپنے کمرہ تیار کرتا ہوں۔ آپ نیچے چلکر کھانا درست کرائیے۔ خدا خدا کر کے آپ بہت بہتر کہکر چلے گئے ادھر میں نے دل میں سوچا کہ اگر خدانخواستہ ان کے ہمراہ ایک ماہ بھی مسلسل رہنے کا اتفاق ہوگیا تو یقیناً مجھکو مسوری سے واپس مکان جانے کے بجائے آگرہ کے پاگل خانہ جانا پڑیگا۔ میں کمرہ بند کرکے نیچے اترنے کے ارادہ سے زینہ پر گیا تو اچانک میرا پاؤں پھسلا اور پٹخیاں اور قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے پہنچگیا۔ آنجہانی نیچے موجود ہی تھے۔ دوڑکر میرے قریب آئے اور از راہ ہمدردی بولے ــ" کیا آپ گر گئے ؟ دل میں آیا کہ اٹھکر جناب کے منھ پر ایک ایسا طمانچہ رسید کروں کہ دادا جان اور نانا جان دونوں یاد آجائیں لیکن میں نے انتہائی ضبط سے کام لیکر ان کے چہرے کو گھورتے ہوئے کہا ــ" جی نہیں ! میں ہمیشہ زینہ پر سے اسی طرح اترتا ہوں اس طرح اترنے میں بڑا لطف آتا ہے۔ آپ بھی اسیطرح اترا کیجئے یہ تو ایک بہترین ورزش ہے ــ" شاید وہ اس ورزش کو خطرناک سمجھے۔ کیونکہ انھوں نے جلدی سے گفتگو کا رخ بدل دیا اور بولے ــ اچھا جلدی چلئے کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے میں کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھا۔ طوعاً و کرہاً اس بلائے ناگہانی کے ہمراہ جاکر کھانا کھایا۔ بلکہ کھایا گیا۔ کیونکہ ان کے ہمراہ یہ کام مشکل تھا

لیکن ہاں یوں کہیئے کہ شلونس ضرور لیا ــــ میں غسلخانہ میں جا کر دانت صاف کرنے لگا کہ وہاں حضرت بھی آدھمکے اور بولے "کیا یہ غسلخانہ ہے؟ میں نے سنجیدگی سے کہا "جی ہاں یہ غسلخانہ ہے۔ یہاں انسان نہاتے ہیں اور نہانا صحت کیلئے مفید ہے وہ سامنے پانی ہے یہ ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مرکب ہے۔ وہ صابن رکھا ہے اس کے اجزا تیل۔ پانی اور سوڈا ہیں اور اسکا نام گولڈن گلوری پیرس سوپ ہے۔ اس کے ملنے سے بدن میں خوشبو آجاتی ہے۔ یہ انگلینڈ کا بنا ہوا ہے۔ انگلینڈ یورپ میں ہے جہاں ہمارے بادشاہ سلامت رہتے ہیں اور جہاں عنقریب جرمنی کے جنگلوں سے ہٹلر نامی درندہ پکڑ کر پنجرے میں بند کر کے لایا جانے والا ہے۔ وہ سامنے تولیہ ہے یہ دہلی کلاتھ مل کی بنی ہوئی ہے اس کارخانہ کی تولیاں تمام ہندوستان میں پسند کیجاتی ہیں۔ رینوکا دیوی۔ کانن بالا۔ لیلا چٹنس۔ نسیم۔ بینا۔ مہتاب۔ منورما۔ نورجہاں۔ شانتا آپٹے۔ سینہہ پربھا اور ممتاز شانتی بھی اسی کارخانہ کی تولیوں سے اپنا خوبصورت چہرہ اور نازک بدن صاف کرتی ہیں۔ یہ عورتیں فلم ایکٹرس ہیں۔ یہ گاتی ہیں۔ کودتی ہیں بتھرکتی ہیں۔ لوگوں کا دل چراتی ہیں ممکن ہے ان میں سے کسی نے آپ کا دل بھی چرا رکھا ہو ــــ اب وہ تاب نہیں لاسکے کیونکہ فضول بکواس کی بیماری والے کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کی بکواس نہیں سن سکتا۔ لہذا جناب جلدی سے ذرا بلند آواز سے بولے ــــ "ارے حضرت کچھ مجھکو بھی تو کہنے دیجئے۔ آپ تو اپنی ہی کہے جا رہے ہیں شاید

آپ میرا مذاق تو نہیں بنا رہے ہیں؟ — میں نے متعجبانہ لہجہ بنا کر کہا۔ مذاق! یہ کیا چیز ہوتی ہے؟ ذرا میں ڈکشنری دیکھ آؤں۔ یہ کہکر میں اُن سے جان چھڑا کر بھاگا۔ اور اپنے کمرے میں جا کر اندر سے دروازہ بند کر کے پلنگ پر لیٹ کر دل ہی دل میں اس مردود کو گالیاں دینے لگا۔ لیکن وہ بھلا میرا پیچھا کب چھوڑنے والے تھے۔ حضرت نے آکر دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا۔ "کیا جناب نے دروازہ بند کر لیا؟" میں نے پلنگ پر لیٹے ہی لیٹے جواب دیا۔ "ذرا میں ورزش کر رہا ہوں" یہ سن کر آپ چیخ کر بولے — "کیا غضب کر رہے ہیں آپ۔ کیا غضب۔ کھانا کھانے کے فوراً بعد ورزش کرنا بہت بُرا ہے۔ بہت ہی بُرا۔ اپنی اس حرکت سے اس وقت باز آئیے۔ یہ بڑی بیوقوفی کر رہے ہیں آپ بڑی بیوقوفی —" ان کو بکواس کا زبردست دَورہ پڑ رہا تھا۔ لیکن میں خاموش پلنگ پر لیٹا ان کی حالت زار پر ہنس رہا تھا۔ اور میں نے تہیّہ کر لیا تھا کہ چاہے اسی دَورہ میں بکواس کرتے کرتے حضرت جان بحق تسلیم ہو جائیں۔ مگر میں دروازہ کھولکر اپنی جان خطرہ میں نہیں ڈالونگا — تقریباً دو گھنٹہ تک جناب بکواس کے دَورہ میں بُری طرح مبتلا رہے اور پھر مایوس ہو کر مجھکو بد اخلاق کا خطاب دیکر تشریف لیگئے۔ میں نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور چپکے سے کمرے سے نکلکر ٹہلنے چلا گیا۔ رات کو جب واپس آیا تو اس وقت خوش قسمتی سے وہ سو چکے تھے۔ لیکن ہوٹل کے ملازم سے معلوم ہوا کہ مجھکو تلاش کرتے کرتے تھک کر سو رہے ہیں۔ . . . .

دوسرے دن علی الصباح میں اپنے کمرے میں نیم برہنہ کھڑا شیو کر رہا تھا کہ خباب کا چمکدار چہرہ دروازہ میں سے نمودار ہوتے ہی گویا ہوا۔ اوہو۔ رات تو آپ خوب غائب ہوئے۔ اب کیا حجامت بنا رہے ہیں؟ میں چونک پڑا اور ہاتھ ہلنے کے باعث اُسترے نے میری نرم کھال والے رخسار پر ایک بڑا سا زخم لگا دیا میں نے خون پونچھتے ہوئے اُن کو گھور کر کہا " رات مجھکو ذرا پریاں اُڑا کر لے گئی تھیں اور اب میں یہ شیو نہیں کر رہا۔ یہ صابن جو آپ دیکھ رہے ہیں نا۔ یہ مجھکو اپنے منھ پر لگانا بہت ہی اچھا معلوم ہوتا ہے اور یہ برش جادو کا ہے۔ خداوند سامری نے مجھے یہ خاص طور پر بھیجا ہے۔ اور یہ اُسترا جو آپ میرے ہاتھ میں دیکھ رہے ہیں۔ یہ میں نے خاص اسی وجہ سے رکھ چھوڑا ہے کہ میں ان نالائق اور احمق لوگوں کا گلا آسانی سے کاٹ سکوں جو فضول بکواس کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں آیا آپ کی سمجھ میں؟ ــــ!

میرے زخم میں سے خون نکل رہا تھا۔ صابن کے لگنے سے تکلیف بھی محسوس ہو رہی تھی اور مجھے غصہ آ رہا تھا میں سوچ رہا تھا کہ واقعی ملبّات کیلئے کیا پڑھا جاتا ہے۔ ذہن کام نہیں کر رہا تھا زخم کی تکلیف بڑھ رہی تھی۔ میں نے بمشکل شیو ختم کرکے زخم پر پاؤڈر چھڑکا میں اس کام میں مصروف تھا لیکن مجھکو حیرت تھی کہ یہ شخص خاموش کیوں کھڑا ہے کیا اس کی بیماری دور ہو گئی۔ میرا دماغ کچھ خراب ہو گیا تھا اس کمبخت نے مجھکو نیم پاگل بنا دیا تھا میں اس سے انتقام لینا چاہتا

تھا یکایک میرے دماغ میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندگیا۔ میرے کمرے میں ایک کافی وزنی کپڑوں کی الماری رکھی ہوئی تھی میں نے نہایت خندہ پیشانی سے کہا۔ قبلہ آپ کو زحمت تو ہوگی۔ ذرا مجھے اس الماری کو اٹھوانے میں مدد دیجئے۔ پلنگ پر لیٹتے وقت یہ الماری میرے سامنے رہتی ہے اور رات کو کالے دیو کی طرح ایسی کھڑی معلوم ہوتی ہے جیسے مجھے کھا جائیگی حضرت بخوشی تیار ہوگئے اور میرے زخم پر اظہار تاسّف فرمانے لگے میں نے کہا کوئی بات نہیں وہ ٹھیک ہو جائیگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہاں ۔ ۔ ۔ ہاں الماری کو اپنی طرف جھکائیے میں دوسری طرف سے اٹھاؤنگا ۔ ۔ ۔ ۔ ہاں اور جھکائیے ۔ ۔ ۔ ۔ اور ۔ ۔ ۔ ۔ اور ۔ ۔ ۔ جب الماری بالکل حضرت کی جانب جھک گئی تو ایکا ایکی میں نے چھوڑ دی ۔ بس جناب کیا پوچھتے ہیں آپ ۔ قبلہ کونے میں گٹھری بنکر اس طرح الماری کی زد میں آگئے کہ نکلنا ناممکن ہوگیا۔ اب لگے چیخنے "اجی حضرت میں دبا۔ اف میری پسلیاں ٹوٹیں۔ اوپر سے اٹھائیے خدا کیلئے جلدی سے اٹھائیے۔ ارے میں مرا۔ اُف۔ آہ ۔ واہ۔ میں نے جلدی سے جاکر کمرے کے کیواڑ بند کرلئے تاکہ باہر کا کوئی آدمی میرے محترم کی آواز نہ سن سکے۔ اور بہت اطمینان سے ہولے ہولے الماری کے پاس پہنچکر کہا :-

"جی! تو گویا یہ الماری ہے"

وہ بولے :- ارے ارے بھائی اسکو اٹھاؤ۔ میرا دم نکلا۔

میں نہایت استقلال سے بولا: "آپ یہاں کیا کر رہے ہیں"؟

وہ: "جناب آپ کو مذاق سوجھا ہے۔ یہاں جان جا رہی ہے۔ الماری کو اٹھائیے۔ برائے خدا جلدی کیجئے"۔

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "آہا۔ آپ پنجاب سے بول رہے ہیں مشتری خصال مریخ جلال۔ فیاض زماں عالی خاندان مخدوم زمن۔ عالیجناب مسٹر اے۔ بی۔ سی۔ ڈی امتیاز علی آیات خانصاحب۔ کہئے مزاج گرامی تو اچھا ہے شاید کوئی نئی جاگیر ملی ہے جب ہی تو بہت قہقہے لگا رہے ہیں آپ ....

پھر میں نے یکایک اپنا لہجہ درشت کرتے ہوئے غصہ سے کہا۔ کہو بچہ! دو دن سے میرا مغز کھا رہے تھے۔ اب ذرا مزا چکھئے۔ اور دم سادھے کچھ دیر پڑے رہو۔ بندہ تو سونے جاتا ہے۔ شام کو چار بجے چار کے وقت آنکھ کھلیگی

وہ گڑگڑا کر بولے:۔ "بھائی صاحب اب کچھ نہ کہونگا۔ آہ مرا۔ آنتیں منھ کو آرہی ہیں، دم گھٹ رہا ہے۔ اب کچھ نہ کہونگا۔ کچھ نہیں آہ!

میں نے منھ بنا کر کہا:۔ "نہیں نہیں۔ خوب۔ آپ کچھ کہیں، کیسے نہیں یا میرا دماغ کھانے کیلئے تو آپ کو ہی عرش سے فرش پر بھیجا گیا ہے۔ خوب لیٹے صاحب کون روکتا ہے"۔ نامعقول کہیں کا۔ بدمعاش۔ میرے مغز کا قیمہ کر کے رکھ دیا۔

عموماً ایسے لوگ کچھ خوش قسمت بھی ہوا کرتے ہیں! اتفاق سے ہوٹل کے

بیرے نے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا:۔ "بابو جی صاحب آپ کا خط آیا ہے۔ یہ لے لیجئے۔"

قبلہ پیر جی :۔ برائے خدا مجھ پر رحم کرو۔ اس مصیبت سے جلد نکالو۔ خدا کا واسطہ۔ رسول کا واسطہ۔ پیروں کا واسطہ۔ فقیروں کا واسطہ۔

میں نے دروازہ کھولا۔ اور بیرے کی مدد سے اس خبیث کو نجات دی۔ وہ الماری کی زد سے نکلتے ہی اپنے کمرے کی طرف ایسا بھاگا جیسے لاحول سے شیطان۔

شام کو میں ٹہلنے چلا گیا اور خلافِ معمول کافی رات گئے واپس آیا۔ برابر کا کمرہ خالی تھا۔ بیرے سے معلوم ہوا کہ وہ حضرت چلے گئے۔

ٹامی

مجھ کو ٹامی سے اتنی شدید محبت ہے کہ اگر آپ اس کو عشق سے تعبیر کریں تو بالکل بجا ہوگا۔ لوگ اس سے خائف ہوتے ہیں۔ اس کی شکل مہیب بتلاتے ہیں لیکن مجھکو تو ٹامی شہزادہ گلفام سے بھی زیادہ خوبصورت اور پیارا معلوم ہوتا ہے۔

میرا دل چاہتا ہے کہ ہر وقت ٹامی میری آغوش میں رہے میں اس کا منھ چوموں گلے لگاؤں پیار کروں اچھی اچھی لذیذ اشیا اس کو کھلاؤں موٹر میں ساتھ لیے پھروں سینما دکھاؤں غرضکہ خیال میں آنے والا ہر عیش اس کے لئے مہیا کردوں۔ لیکن مشکل یہ ہے۔ بلکہ مصیبت یہ ہے کہ میری اکلوتی زوجہ محترمہ کو ٹامی کے نام تک سے نفرت ہے۔ ان کے سامنے میں اپنے پیارے ٹامی کا نام تک نہیں لے سکتا۔ اس کی طرف دزدیدہ نظروں سے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ آہ! میرے جذبات کا جیسا خون ہوتا ہے میں ہی جانتا ہوں۔

میں زوجہ صاحبہ کے ہمراہ بیٹھا کوئی لذیذ شئے کھا رہا ہوں اور میرا دل چاہتا ہے کہ یہ پیارے ٹامی کو بھی کھلاؤں لیکن زوجہ صاحبہ کے خوف کی وجہ سے نہیں کھلا سکتا اور اگر کبھی انتہائی بہادری سے کام لیکر انکے سامنے

کوئی شے ٹامی کو کھلا بھی دوں تو وہ عزیزِ ٹامی کی شان میں گستاخانہ الفاظ کی لمباری شروع کر دیتی ہیں - توبہ - توبہ - انسانوں کو انسانوں سے محبت کرتے سنا بھی ہے اور دیکھا بھی ہے لیکن جانوروں سے محبت کرتے آپ ہی کو دیکھا ہے، اور جانور بھی کونسا - انتہائی ذلیل اور ناپاک - بزرگوں نے کہا ہے کہ جس گھر میں یہ منحوس جانور ہوتا ہے اس گھر میں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا - خیر و برکت نہیں ہوتی -

ان کی یہ نازیبا بک بک میرے نازک دل پر نیر و نشتر کا کام کرتی ہے لیکن افسوس مجھ میں وہ فولادی ہمت نہیں کہ میں ان کے خلاف اعلان جنگ کر کے انتقام لے سکوں -

ایک دن کا واقعہ ہے کہ زوجہ صاحبہ باورچی خانہ میں دوپہر کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں اور میں یہ موقع غنیمت سمجھ کر اپنے کمرے میں اطمینان سے پیارے ٹامی کو گود میں "میٹھا " انگور کھلا رہا تھا کہ بدقسمتی سے انکی بجو والی نظریں مجھ پر پڑ گئیں بس پھر کیا تھا - وہ فوراً جنگی ٹینک کی طرح صحن اور دالان کو عبور کرتی ہوئی کمرے میں نازل ہو گئیں اور مجھ کو خونخوار نظروں سے دیکھ کر بولیں

" یہ کیا حرکت! شرم نہیں آتی آپ کو - آپ نے تو تمام گھر ناپاک کر دیا ہے آپ کے ساتھ تو کھانا پینا بھی حرام ہے! بھلا جانور کے ساتھ آپ بھی جانور ہو گئے ہیں، لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے کہنے کو تو مسلمان ہیں لیکن

کرتوت آپ کے کرستانوں کے ہیں۔ توبہ توبہ! ۔۔۔ پھر وہ ایک بڑے ڈکٹیٹر کی طرح نتھنے پھلا کر ٹامی کو دیکھ کر بولیں۔ "کمبخت کو موت بھی نہیں آتی دور ہو یہاں سے۔" وہ بیچارہ دُم سکیڑ کر مجھ سے علیحدہ ہو گیا اور نئی بہوؤں کی طرح آنکھیں نیچی کر لیں۔

انھوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ انتہائی پھرتی کے ساتھ میری چھڑی کو ہاتھ میں سے اٹھا کر ٹامی کے دو تین جڑ دیں۔ وہ بیچارہ چیخ پکار کرتا ہوا کمرے سے تو نو دو گیارہ ہو گیا۔ مجھے شرم آگئی میں بے چین ہو کر گھبرا ہی گیا لیکن ہمت سے کام لیکر عاجزانہ انداز سے محترمہ کی خدمت اقدس میں عرض کیا۔ "بیچارہ بے زبان جانور ہے اس طرح نہیں مارنا چاہئے۔"

وہ سوئی کیطرح تنکا کر بولیں۔ "اچھا بس جب دیکھئے اس کی حمایت کرتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ آپ کی روح بھی کتنی غلیظ ہے۔ جائیے نہا کر دوسرے کپڑے تبدیل کیجئے۔"

ہوم گورنمنٹ کی حکم عدولی کرنا میری طاقت سے باہر تھا۔ لہذا فوراً بے چون و چرا حکم کی تعمیل کی لیکن بعد کو جب مجھے یہ علم ہوا کہ بیگم صاحب کے حملے نے بیچارے ٹامی کو لنگڑا کر دیا ہے تو مجھکو اتنا ہی رنج و افسوس ہوا کہ جتنا اپنی ٹانگ شہید ہو جانے پر ہوتا۔ میں نے دل ہی دل میں زوجہ محترمہ کو سیکڑوں بددعائیں اور ہزاروں گالیاں دیں لیکن حضرت ظاہراً اُن کی شان میں جنبش لب تو کجا گردش چشم

بھی محال تھی۔ خون کا سا گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اور اپنی اس گیدڑانہ اور مجبورانہ زندگی پر افسوس میں ایک سرد اور طویل آہ بیساختہ منہ سے نکل گئی۔

ذرا احباب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ میں تو اپنے مرحوم دوست مسٹر اقبال کی نشانی تصور کر کے ٹامی کو اس درجہ عزیز رکھتا ہوں۔ کیونکہ مسٹر اقبال جب یورپ کی سیاحت کو گئے تھے تو فرانس سے میرے واسطے یہ تحفہ لائے تھے اور میری زوجہ صاحبہ مدظلہ العالی نہ معلوم اس کو اپنی سوکن تصور کرتی ہیں یا اپنا رقیب یا اپنا دشمن جان کی ٹامی سے نفرت انتہائی درجہ تک پہنچی ہوئی ہے۔ بارہا میں نے ان کی اس تنگ نظری سے تنگ آکر سوچا کہ پیارے ٹامی کو ہمراہ لیکر کسی ایسے ٹاپو میں چلا جاؤں جہاں زوجہ صاحبہ کی خوشبو تک نہ پہنچ سکے لیکن جب میں نے اپنے نیک خیال کو عملی جامہ پہنانے کا قصد کیا تو زوجہ صاحبہ نے آگاہ ہو کر گھر میں ایک کہرام برپا کر دیا۔ رو رو کر آنکھیں سوجھا لیں۔ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ خودکشی کرنے کو تیار ہو گئیں۔ مجبوراً مجھ کو اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا مگر پیارے ٹامی سے زوجہ صاحبہ کی نفرت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ کیونکہ ان پر یہ حقیقت خوب عیاں ہو گئی تھی کہ میں صرف ٹامی کی ہی وجہ سے ہجرت کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اب تو ہر وقت پیارا ٹامی ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتا جس کے باعث مجھکو بیحد روحانی اذیت ہوتی۔ زوجہ صاحبہ کا مرض مہلک تھا جس کا علاج ذرا مشکل تھا۔

اتفاق سے ایک روز کنجوسی میں نوبل پرائز حاصل کرنیوالے میرے ایک دوست

مسٹر ملہوترہ کے پاس سے دیہاتی انگلش میں لکھا ہوا بیرنگ خط آیا۔ گو بدقسمتی سے زوجہ صاحبہ بھی تھوڑی بہت انگلش پڑھی ہوئی ہیں لیکن یہ دیہاتی انگلش پڑھنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ اس لئے میں نے ان کی اس کمزوری سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کی ٹھانی اور اپنی دماغی مشینری کو پوری طاقت سے حرکت میں لا کر ان کے علاج کے واسطے ایک مجرب نسخہ سوچا اور فوراً ہی اس زود اثر نسخہ سے زوجہ صاحبہ کو متاثر کر دیا۔

میں نے بیرنگ خط زوجہ صاحبہ کی طرف بڑھاتے ہوئے چہرہ کو مضمحل بنا کر کہا: "یہ گورمنٹ کا حکمنامہ آیا ہے"

زوجہ صاحبہ چونک کر میرے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولیں۔ "کیسا حکمنامہ؟" — میں نے افسردہ لہجہ میں کہا — "پڑھ کر دیکھ لیجئے"

انھوں نے میرے ہاتھ سے خط لیکر اس کو پڑھنے کی انتہائی جد و جہد کی لیکن وہ خاک بھی نہیں پڑھ سکیں جیسا کہ میں قبل ہی سمجھے ہوئے تھا اس لئے وہ زچ ہو کر خط مجھکو واپس کرتے ہوئے بولیں — "لکھا ہوا صاف نہیں ہے مجھ سے پڑھا نہیں جاتا۔ ذرا آپ ہی پڑھ کر سنا دیجئے"۔ میں نے آنکھیں خط پر جھکا کر لغو بیانی سے کام لینا شروع کیا — "عدل و انصاف کی جویا گورمنٹ عالی وقار تحریر فرماتی ہے کہ تمھارے پاس جو ڈکٹیٹر اعظم کے باعصمت خاندان کا یتیم فرد ٹامی ہے تمھارا فرض اوّلین ہے کہ تم اس کو انتہائی عزت و احترام کے ساتھ رکھو

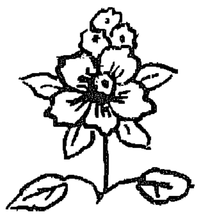
اور اس کی دلجوئی و خوشنودی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرو۔ اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو ۵۵۵۵ ہتک ٹامی کے ماتحت مع اہل و عیال کے سخت سے سخت سزا کے مستوجب ہو گے۔ اور اگر عرصہ ایک سال تک تم نے ٹامی کی خاطر مدارات میں دریغ نہ کی تو تم کو اس کے صلہ میں مبلغ پچاس ہزار روپیہ چہرہ شاہی سکہ رائج الوقت نقد انعام دیا جاوے گا۔ اس لئے تم کو یہ حکمنامہ تحریر کیا جاتا ہے کہ سند ہو۔ اور وقت ضرورت کام آوے۔"

میں نے مضمون ختم کر کے زوجہ صاحبہ کے حسین چہرہ پر اس کے اثرات کا مطالعہ کرنے کیلئے نظر ڈالی۔

زوجہ صاحبہ متحیرانہ انداز میں بولیں۔ اچھا! تو یہ کتا ڈکٹیٹر اعظم کے خاندان کا فرد ہے۔ میں نے اپنے لیکچر کو خاطر خواہ کامیاب دیکھ کر دل میں مسرور ہوتے ہوئے کہا۔ — جی ہاں میں نے قبل ہی آپ سے کہا تھا کہ مسٹر اقبال مرحوم کا لایا ہوا تحفہ کوئی معمولی چیز نہیں ہو سکتا۔ لیکن آپ تو میرا یقین ہی نہ کرتی تھیں۔ میں جو ٹامی پر فریفتہ تھا اس کی صرف یہی وجہ تھی کہ میں خوب اچھی طرح سمجھتا تھا کہ کبھی اس کی بدولت عظیم الشان فائدہ حاصل ہوگا۔ اور وہی ہوا۔ اب ایک سال بعد مبلغ پچاس ہزار۔ پچاس ہزار روپیہ۔ آدھا لاکھ۔ آدھا لاکھ روپیہ ملیگا۔ — نقد ملیگا — نقد — ایک بنگلہ سب سے نیارا :: رہے کنبہ جس میں سارا — موٹر خریدیں گے۔ بمبئی کی سیر کرینگے۔ کلکتہ دیکھیں گے۔ حج کو جائیں گے —

خدا کے واسطے آپ ٹامی کے ساتھ کوئی نازیبا حرکت نہ کریں ورنہ غضب ہی ہو جائے گا۔ پچاس ہزار روپیہ کی رقم سے ہاتھ دھونا پڑیگا اور نہ معلوم کن کن مصیبتوں میں مبتلا ہونا پڑے ــــ" ہماری بیگم بھی تو عورت ہی تھیں جنکو ہیرے اور سونے کے زیوروں سے زیادہ کسی چیز سے اتنی محبت نہیں ہوتی وہ اسی ادھیڑ بن میں لگی رہتی ہیں کہ کہاں سے کوئی مرے جنہیں جائداد مل جائے۔ یا کوئی اللہ کا بندہ چپکے سے ایک اشرفیوں کی تھیلی رات کو گھر میں رکھ جائے تو پھر ہم خوب زیور بنوائیں اور بڑے فخر سے اسے پہنکر محفل میں بیٹھیں۔ ہماری بیگم کے دماغ میں بھی یہ ہی نشیب و فراز آتے رہتے۔ آخر انہوں نے اسی میں مصلحت سمجھی کہ وہ ٹامی کی قدر و منزلت کریں۔ کچھ سوچ کر وہ معصومانہ انداز سے بولیں ــ
"آپ اطمینان رکھیں۔ اب ٹامی میرے پیاروں کیطرح رہیگا۔ بالکل آپ کی طرح اس کو عزیز رکھونگی۔ اب تو یہ ہمارے واسطے پارس کا ٹکڑا ہے"

اُس دن سے وہ واقعی مجھ سے کہیں زیادہ ٹامی کو عزیز رکھتی ہیں اور نہایت بیقراری سے اُس نہ آنے والے دن کا انتظار کر رہی ہیں۔ جب مبلغ پچاس ہزار روپیہ نقد گورنمنٹ سے ملے گا۔ ایک بنگلہ بنے گا۔ موٹر خریدیں گے۔ بمبئی کی سیر کریں گے۔ کلکتہ دیکھیں گے۔ حج کو جائینگے۔ . . . . . .



ہندو مسلم اتحاد

نذیر نے اپنی عینک صاف کر کے ناک پر صحیح انداز سے رکھی اور اپنے سامنے میز پر رکھے ہوئے خط کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بڑبڑانا شروع کیا ظفر اتنا ناخلف نکلا ہیں نے اس کو بالکل پرانے رسم و رواج کے مطابق تربیت دی تھی۔ اور وہ میرے سامنے ہر تہوار اور رسم و رواج کو پابندی کیسا تھ منایا کرتا تھا۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھا کرتا تھا۔ کیا اب اس نے ان تمام باتوں کو فراموش کر دیا۔ نذیر نے زور سے اپنی بیوی " زینت " کو آواز دی۔ وہ جھنجلاتی ہوئی آئی اور تنک کر بولی۔ تم ذرا ذرا دیر کے بعد گدھے کی طرح کیوں چیخ پڑتے ہو؟ اگر میں تمھارے ہی پاس بیٹھی رہوں اور کھانا وغیرہ نہ پکاؤں تو جو بچے اسکول سے آتے ہونگے ان کو کیا تمھارا سر کھلاؤں گی ؟

نذیر نے آنکھیں مٹکا کر کہا بچے ! بچے !! سب کمبختوں کو پھانسی دیدو۔ تم جانتی ہو کہ تمھارے لاڈلے ظفر نے آگرہ جا کر کیا گل کھلائے ہیں تمکو معلوم ہے اپنے پیارے ظفر کے کرتوت ؟

زینت بولی " کیا ہوا خیر تو ہے کچھ بتاؤ تو سہی ؟

نذیر گرج کر بولا۔ اس نالائق نے تمام خاندان کی ناک کاٹ دی۔ آ

نالائق نے تمام خاندان کی ناک کاٹ دی۔ اس کا خط آیا ہے کہ وہ پرسوں ایک ہندو لڑکی سے ہول میرج کر رہا ہے اس نے تو میری عزت خاک میں ملا دی ہیں نے تو اس کو آگرہ میڈیکل کالج میں ڈاکٹری پڑھنے کے واسطے بھیجا تھا اور اس نے وہاں پر دوسرا کام شروع کر دیا۔ آجکل کی نوجوان اولاد سے بھی خدا بچائے۔

زینت بولی " اس چیخ پکار سے کیا فائدہ؟ تم کو کوئی تدارک کرنا چاہیے۔

نذیر نے کہا تدارک! تدارک میں نے سوچ لیا ہے۔

زینت۔ وہ کیا؟

نذیر۔" اب میں ظفر کو ایک پیسہ بھی نہ بھیجونگا۔"

زینت۔ لیکن میرے خیال میں تو اس سے کوئی بھی فائدہ نہیں۔ کوئی ایسی ترکیب کرنا چاہیئے کہ ظفر اس ہندو لڑکی سے شادی نہ کر سکے۔

نذیر۔ لیکن یہ اب کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

زینت :۔ تم آج ہی آگرہ چلے جاؤ۔ اور ظفر کو کوئی چال دیکر گھر لے آؤ پھر ہم دونوں اس کو یہاں ٹھیک کر لیں گے۔

نذیر :۔ ہو تو عورت لیکن بعض وقت عقلمندی کی بات کہہ دیتی ہو۔ اچھا تو تم میرا بستا درست کر دو۔ اب دو بجے ہیں۔ آگرہ کو گاڑی ۳ بجے جاتی ہے۔ مجھکو اسی گاڑی سے چلا جانا چاہیئے۔ . . . . .

نذیر جب پلیٹ فارم پر پہنچا تو ٹرین روانہ ہو چکی تھی۔ نذیر نے بھاگ کر ایک ڈبہ کی کھڑکی پکڑ لی۔ اس کو دیکھتے ہی آدمی دریچے کھلیں پردہ میں چھپ گئیں۔ نذیر بڑبڑایا۔ بھاڑ میں جائے ایسا پردہ۔ اور ڈبہ کے اندر داخل ہو گیا۔ اگلے اسٹیشن پر اس کو ٹی ٹی نے دیکھا اور یہ کہہ کر ڈبے سے باہر نکال دیا کہ کیا تم عورت ہو؟ ہوں کہہ کر نذیر نے ڈبہ پر نظر ڈالی تو اس پر ایک عورت کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ نذیر تیزی کے ساتھ اس ڈبہ سے اتر کر ایک دوسرے ڈبہ میں داخل ہو گیا۔ اور ایک موٹے تازے پنڈت کے برابر اس نے جگہ حاصل کر لی۔ نذیر کا فلسفہ یہ تھا کہ ہر شخص سے بلا تفریق مذہب و ملت دوستانہ تعلقات رکھے جائیں اسی باعث وہ ہر شخص سے بالکل آزادی سے گفتگو کرنا شروع کر دیتا تھا یہ گفتگو موسم کے اتار چڑھاؤ سے شروع ہوتی تھی اور رشتہ داروں دامادوں اور لڑکے لڑکیوں پر ختم ہوتی تھی اسی لحاظ سے نذیر کو اس پنڈت سے گفتگو شروع کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہوئی۔ پنڈت تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد کھڑکی سے منہ نکال کر تھوکتا تھا۔ اس لئے نذیر نے پنڈت سے پوچھا۔ کیا آپ کے دانتوں میں تکلیف ہے؟ اس کے جواب میں پنڈت نے خونخوار نظروں سے نذیر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ دانتوں کی تکلیف۔ چنڈول کہیں کا۔ نذیر اس حملے کے لئے تیار نہیں تھا وہ ہکا بکا رہ گیا اور اپنی داڑھی کھجلانے لگا۔ جیسا کہ یہ پریشانی کی

حالت میں کرنے کا عادی تھا - اور اکثر اس کو اپنی بیوی زینت کے سامنے بھی ایسا ہی کرنا پڑتا تھا - پنڈت جی نے اپنی بوچھار جاری رکھتے ہوئے کہا —— "چنڈول کے بچے تیرے ہی مذہب کے ایک آدمی نے میری لڑکی کو اغوا کر لیا ہے مسلمنٹے بہت ہی بدمعاش ہوتے ہیں "

نذیر نے نہایت ہی نرم لہجہ میں کہا — "آپ نے سمجھنے میں غلطی کی ہے پانچوں انگلیاں ایک سی نہیں ہوتیں" —— پنڈت بولا "ہوں - پانچوں انگلیاں ایک سی نہیں ہوتیں' ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن تم مسلمنٹے سب ایک سے ہوتے ہو - میں اپنی لڑکی شیلا کو میڈیکل کالج بھیجنے کے خلاف تھا لیکن وہ ابھاگن نہیں مانی اور وہاں چلی گئی - اب اس کو ایک کٹنے کے بچے نے جسکا نام ظفر ہے' - نذیر نے ظفر کے نام پر چونک کر پنڈت کی بات کاٹتے ہوئے کہا - کیا کہا آپ نے ظفر - پنڈت تلملا کر بولا ہاں ظفر! اسی کمبخت نے میری لڑکی کو پھسلایا - اسی کے ساتھ وہ کل سول میرج کرنے والی ہے میں اسی کا سر توڑنے کے واسطے آگرہ جا رہا ہوں - نذیر کو طیش آگیا - وہ اپنے لڑکے کے بارے میں ایسے ناشائستہ الفاظ نہ سن سکا اور وہ تڑپ کر بولا ظفر نے شیلا کو نہیں پھسلایا - بلکہ شیلا نے ظفر کو پھسلا کر اس کو اغوا کیا ہے پنڈت نے چیخ کر کہا وہ تیرا کون لگتا ہے؟

نذیر: - لڑکا اور وہ اتنا شریف ہے کہ کسی لڑکی سے عنایت وہ لڑکا

ہی اس کو مجبور نہ کرے کبھی کوئی سروکار نہیں رکھ سکتا۔ اس پر تمام ڈبہ میں شور و غوغا ہونا شروع ہوگیا۔ نذیر نے پنڈت کی چوٹی پکڑ رکھی تھی۔ اور پنڈت نے اس کی داڑھی کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ دونوں طرف سے صرف ایک ایک جھٹکے کی کسر تھی کہ چوٹی اور داڑھی دونوں کا صفایا ہو جاتا۔ اس نقصانِ عظیم کا اندازہ کرتے ہوئے دونوں نے ایک دوسرے کے مقبوضات واپس کر دینا ہی مناسب تصور کیا۔ اور پھر ایک دوسرے کی طرف غرّا کر دیکھنے لگے۔

پنڈت نے چہرہ بھیانک بناتے ہوئے نذیر سے پوچھا تم کس جہنم میں جا رہے ہو۔

نذیر بولا میں اپنے ظفر کو اس جادوگرنی سے بچانے کیلئے آگرہ جا رہا ہوں! اور تو کس نرکھ میں کودیگا ؟

پنڈت نے کہا "میں اپنی شیلا کو اس بدمعاش کے چنگل سے چھڑانے جا رہا ہوں اب یہ دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچان چکے تھے۔ دونوں غمزدہ باپ تھے جن کے بچے ایک زبردست غلطی کر بیٹھے تھے۔ ان دونوں کے دل میں ایک دوسرے کی ہمدردی اور محبت پیدا ہو گئی۔ اگلے اسٹیشن پر نذیر نے دو لیموں کے پانی کی بوتلیں خریدیں اور ان میں سے ایک اپنے بہادر حریف کے سامنے پیش کی جس کو پنڈت نے

قبول کرتے ہوئے ایک ہی گھونٹ میں ختم کردیا۔ اور اگلے اسٹیشن پر پنڈت نے لفٹ درجن سنترے خرید کئے اور ان میں سے لفٹ اپنے مقابل کو پیش کئے جس نے اسی شان کے ساتھ اس کو قبول کرلیا۔ اب دونوں میں پیکٹ ہو چکا تھا۔

نذیر بولا۔ بھائی صاحب اب ہمارے بچوں کا کیا حشر ہوگا؟

پنڈت نے کہا آپ ہی بتائیے اب ہم کو کیا کرنا چاہیئے؟

نذیر۔ ہم کو کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیئے۔

پنڈت۔ ضرور۔ ضرور۔

نذیر۔ آگرہ آنے میں صرف ایک گھنٹہ کی دیر ہے ہم کو اس مسئلہ کا حل اس درمیان میں ضرور سوچ لینا چاہیئے۔

پنڈت نے اپنا سر کھجلایا اور نذیر اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتا ہوا سوچنے لگا۔ تقریباً پانچ منٹ کے بعد نذیر یکایک چونک کر بولا۔ "وہ مارا"

پنڈت نے بھی چونک کر پوچھا کیا ہے؟

نذیر۔ ایک سنہری ترکیب میری سمجھ میں آگئی۔

پنڈت۔ جلدی بتاؤ۔ جلدی۔

نذیر۔ تم جانتے ہو سمجھوتہ کسے کہتے ہیں؟

پنڈت۔ کچھ کچھ۔

نذیر: اس کے معنی ہیں اتفاق - انٹر میرج وغیرہ وغیرہ - یہ وہ چیزیں ہیں جو بعض ہمارے ہندوستانی لڑکے جب انگلینڈ سے ایک ولایتی میم کے ساتھ واپس آتے ہیں ---- اچھا - اس چیز کے بارے میں ہمارے ڈاکٹر صاحب مسٹر ایمری اور سر سٹیفورڈ کرپس وغیرہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہندوستان میں نہیں ہے یعنی ہندو مسلم اتحاد ------ اور اس معاملے میں مسٹر محمد علی جناح اور پنڈت جواہر لال نہرو بھی کامیاب نہیں ہوئے ہیں -

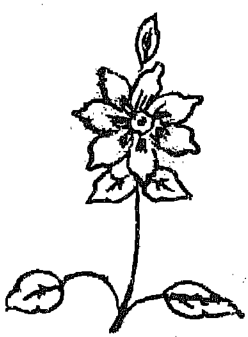
پنڈت: میں سمجھ گیا - اور مہاتما گاندھی بھی ناکامیاب رہے ہیں -

نذیر: بالکل ٹھیک - تو ہم اس کی پہل کیوں نہ کریں -

پنڈت: بس مار دیا میں شاید سلو بہادر ہو جاؤں اور تم شاید خان بہادر

نذیر: اس میں کیا شک ہے ....

ظفر اور شیلا کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب ان دونوں کے والدین ایک ساتھ ان کو دعائیں دیتے ہوئے اور ان دونوں کی شادی پر اظہار مسرت کرتے ہوئے ان کے پاس پہنچے - ....



طمانچہ

(۱)

اگر آپ کو کبھی سسرال شریف جانے کا شرف حاصل ہوا ہوگا تو آپ بخوبی واقف ہونگے کہ اس مقدس مقام کے جانے کی کتنی عظیم الشان مسرت ہوا کرتی ہے اور خاصکر جب کہ بیوی شریف بھی وہیں تشریف فرما ہوں۔

میں بھی بیوی صاحبہ کو لینے سسرال شریف جا رہا تھا۔ اسٹیشن پہنچا تو گاڑی نئی دلہن کی طرح روتی ہوئی ہچکیاں لے لیکر رخصت ہو رہی تھی۔ میں لپک کر ایک ڈبہ میں گھس گیا لیکن یہ ڈبہ لبالب بھرا ہوا تھا بلکہ کناروں پر سے بہہ رہا تھا۔ کچھ دیر تو میں کھڑکی کے پاس خاموش کھڑا رہا اور تمام مسافر مجھکو شہر میں گھس آنے والے گیدڑ کی طرح گھورتے رہے۔ لیکن پھر میری ٹانگیں درد کرنے لگیں اور ابھی سفر کافی طے کرنا تھا۔ بریلی سے رامپور پورے چار گھنٹہ میں گاڑی پہنچتی ہے میں نے جگہ کی تلاش میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں تو ایک سیٹ پر سکھنے ہاتھیوں کے خاندان کے ایک فرد نظر آئے جو کم از کم تین آدمیوں کے برابر تو خود تھے۔ اور پھر آپ کا ظلم ملاحظہ فرمائیے کہ اپنے مگدر سا پاؤں بھی سیٹ پر ہی رکھ چھوڑے

تھے جن میں سے دو آدمیوں کی جگہ پر آپ نے اور قبضہ جما رکھا تھا۔ یعنی آپ اکیلے آدمی پورے پانچ آدمیوں کی جگہ پر بلا شرکت غیرے قابض تھے۔ میں بھی کوستا پیٹتا ان کے پاس پہنچا اور انتہائی لجاجت سے بولا: -

"حضرت اگر آپ تھوڑی سی زحمت گوارا فرما کر اپنے پاؤں مبارک سیٹ سے نیچے رکھ لیں تو ذرا میں بھی بیٹھ جاؤں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔"

وہ حضرت غرا کر بولے: - "جائیے بیکار میرا دماغ نہ چاٹیے۔ کوئی میں مفت میں سفر نہیں کر رہا ہوں۔ میں نے ٹکٹ خریدا ہے اس لئے اس جگہ کا میں جائز حقدار ہوں۔ مجھکو یہاں سے تمہیں یا خدا بھی نہیں ہلا سکتے۔"

میں نے کہا: "ٹکٹ تو آپ نے بھی خریدا ہوگا اور میں نے بھی لیکن آپ آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں اور میں کھڑا ہوا ہوں۔ کوئی ایسی سوراخ تو ٹل نہیں گیا ہے کہ آپ نے ٹکٹ تو خریدا ہے صرف ایک آدمی کا اور قبضہ کئے ہوئے ہیں پورے پانچ آدمیوں کی جگہ پر۔ یہ کون سا انصاف ہے"

وہ چیخ کر بولے: - "بڑا آیا انصاف والا۔ ہٹ یہاں سے چلا جا چھوکرے"

ان جملوں نے مٹی کے تیل پر دیا سلائی کا کام کیا۔ میں بھڑک گیا اور تیزی سے ان کے دونوں پاؤں پکڑ کر سیٹ سے نیچے رکھ دئیے۔ لیکن میں ابھی پاؤں نیچے رکھ کر سیدھا بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ میرے داہنے رخسار پر ایک ایسا زبردست طمانچہ پڑا کہ جس کو نوش کرنے کے پانچ منٹ بعد تک

مجھکو ایسا محسوس ہوتا رہا کہ میں ریل پر سفر نہیں کر رہا ہوں بلکہ ہوائی جہاز میں
اُڑ رہا ہوں لیکن پھر بھی میں تیزی سے سنبھالا اور اپنے حریف کے پیٹ پر جو
کسی پرانے زمانہ کے مندر کے گنبد کی مانند تھا ایک گھونسہ رسید کیا۔ وہ تلملا
کر کھڑا ہو گیا اور مجھکو پکڑ کر شاید بلّی کے بچہ کیطرح دبوچ لینا چاہتا تھا لیکن اب
میں دشمن سے کافی ہوشیار ہو چکا تھا۔ وہ مجھکو پکڑنے کو بڑھتا اور میں پینترا
بدل کر اس کے گنبد پر ضرب لگا دیتا اور پھر سرعت سے پیچھے ہٹ جاتا۔

چند منٹ قبل جن سیٹوں پر تل رکھنے کو بھی جگہ نہیں تھی اب وہ خالی پڑی
تھیں اور تمام مسافر ایک طرف کو کھڑے ہوئے ہم دونوں کو اپنی جنگ سے
باز رکھنے کیلئے برابر وعظ کہے جا رہے تھے لیکن ہم دونوں دنیا و مافیہا سے
بیخبر اپنے کام میں مشغول تھے۔ ایک دفعہ میں اس کی توند پر گھونسہ مار کر پیچھے ہٹا
تو وہ زخمی شیر کی طرح تڑپ کر مجھکو پکڑنے کیلئے تیزی سے دوڑا۔ میں نے
اپنی پوری طاقت سے اس کی ٹانگ میں اپنی ٹانگ ماری اور وہ پٹرول کے
بورے کی طرح زمین پر آ رہا۔ اور میں سرعت سے اس کے اوپر سوار ہو کر کودنے
لگا۔ اب اس کو سانس لینا دشوار تھا۔

گاڑی کی فضا قہقہوں سے گونج گئی۔ اور اس نے بہت جلد اپنی شکست
تسلیم کر کے مجھ سے گڑگڑا کر معافی مانگنا شروع کر دی۔ مگر ایسی گداز اور آرام دہ
جگہ پر سے اٹھنے کو میرا دل نہیں چاہتا تھا لیکن اس کی خوش قسمتی سے رامپور کا

اسٹیشن آگیا اور میں اس کو آزاد کرنے کیلئے مجبور ہو گیا۔

لیکن جب میں سسرال شریف میں پہنچا تو وہاں جو کوئی میرے داہنے رخسار کو دیکھتا وہ ضرور دریافت کرتا۔

"یہ کیا ہوا؟"

میں یہ کہکر خاموش ہو جاتا کہ کل شام ٹینس کھیلتے وقت گیند لگ گئی تھی!

کنوارا

ضرورت نوجوان مرد

ایک حسین دوشیزہ کے ساتھ ازدواجی زنجیر میں جکڑے جانے کیلئے
ایک خوبصورت تعلیم یافتہ - تندرست - دلبر - خوش اخلاق صاحب جائداد -
معقول آمدنی رکھنے والے نوجوان مرد کی ضرورت ہے جو جہیز وغیرہ کا لالچی
نہ ہو - ذات پات کا قائل نہ ہو - بیوی کے احترام سے اچھی طرح واقف ہو
آخری بیویوں کی فہرست درخواست کے ہمراہ ملفوف ہو - فوٹو بھی ضروری
ہے - جواب کے واسطے ڈاک کا ٹکٹ بھی آنا چاہئے اور لفافہ اور کاغذ بھی
اور خیر سیاہی کا خرچ ہم خود ہی برداشت کر لیں گے —— حکیم فہیم رشید
۲۰۴ عیش باغ لکھنؤ

یوگیہ ور کی جلد ضرورت

ستّرہ برس کی مضبوط جسم رکھنے والی کنیا سے بیاہ کرنے واسطے جلد از
جلد ور کی ضرورت ہے ۔
المشتہر - دیوی داس شرما - رنجیت سنگھ روڈ - نئی دہلی

"ضرورت رشتہ"

ایک خوبرو اندام تعلیم یافتہ اور اعلیٰ خاندان کی لڑکی سے رشتہ کرنے کیلئے
ایک حلیم اوصاف حمیدہ سے متصف شوہر کی ضرورت ہے جلد خط و کتابت
اس پتہ پہ کیجئے ۔ ایم - ڈی - پراس آفیسر
مول گنج - کانپور

اخبار ملاپ کا پورا ایک صفحہ اسی قسم کے اشتہاروں سے بھرا ہوا تھا۔
جن کو پڑھکر محمود کے دل کی حرکت فرنٹیر میل سے بھی زیادہ تیز ہوگئی محمود کو
مشتہرین کے علاوہ ایڈیٹر پہ بھی بیحد غصہ آرہا تھا جس نے طاعون کی وبا
کی طرح اخبار میں ان بیہودہ اشتہاروں کو ٹھونس دیا تھا۔ محمود نے انتہائی
نفرت سے اخبار کو پھاڑ کر ردی کی ٹوکری میں ڈالدیا اور لگا بڑبڑانے :-
"شادی - بیاہ - شوہر - بیوی - نجانے کتنی لغویات ہے یہ - توبہ - توبہ ---!
شادی کرنے سے تو یہ بہتر ہے کہ محاذ جنگ پر جاکر کسی توپ کے سامنے
آنکھیں بند کر کے کھڑا ہو جائے ۔ شادی ایک مصیبت - ایک آفت -
ایک بلا - ایک جنجال - ایسا خوفناک جنجال جس میں پھنسنے کے بعد تمام زندگی
بیکار ہو جاتی ہے ۔ شوہروں کو بیویوں سے ایسا ڈرنا پڑتا ہے جیسے بلی سے
چوہا ڈکٹیٹروں سے جمہورتیں - وہ رات کو پوری نیند سو نہیں سکتے ۔ شام کو

سات بجے کے بعد گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکتے۔ گویا ان پر کرفیو آرڈر نافذ ہے۔ سینما نہیں دیکھ سکتے۔ کسی رقص و سرود کی محفل میں شریک نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ ایک بیوی کے شوہر ہیں۔ شوہر بیوی صاحبہ کی طوفانی فرمائشوں کی بدولت پتلون کی جگہ پائجامہ لے لیتا ہے اور وہ بھی میلا اور جگہ جگہ پھٹا ہوا۔ سولا ہیٹ گاندھی کیپ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ وارنشی بوٹ کی جگہ بالوجہ چپل لے لیتی ہے۔ اور تانگہ یا بائیسکل کے بجائے حضرتِ شوہر پیغمبروں کی طرح پیدل پھرتے نظر آتے ہیں...... خدا معلوم محمود کی یہ ترکیب تاک جاری رہتی کہ یکایک شیخ اکبر علی صاحب کمرے میں وارد ہوئے اور بعد علیک سلیک کے محمود کے مقابل کرسی پر دراز ہو گئے ــــ شیخ اکبر علی صاحب واجد علیشا تاجدار اودھ کے ماموں کی نانی کے پوتے کی بیوی کے بھائی کی سالی کے داماد کی لڑکی کے نواسے کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی عمر تقریباً چالیس سال کے ہوگی لیکن آپ سمجھتے اپنے آپ کو نوجوان تھے۔ کھانے پینے سے بیفکر تھے سرکار سے دو سو روپیہ ماہانہ وثیقہ ملتا تھا ـــ ایک عدد بیوی تھی اور ڈیڑھ درجن کے قریب بچے۔ آپکو محمود سے خاص ہمدردی تھی۔ ایسی ہمدردی جو عام لوگوں میں ذرا کم پائی جاتی ہے شیخ صاحب نے بنظرِ عمیق محمود کی طرف دیکھ کر کہا ــــ "محمود! خلافِ معمول آج تمہارے چہرہ

افسردگی کیوں چھائی ہوئی ہے؟ — محمود نے اپنے جذبات کو چھپانے کی کوشش میں مسکرانے کی ناکام جد و جہد کرتے ہوئے کہا :۔ "کوئی خاص بات نہیں"! ۔ شیخ صاحب بولے :۔ "سچ کہتے ہو؟ —" محمود بولا :۔ "آپ کے سر کی قسم"! شیخ صاحب آنکھیں مٹکا کر بولے :۔ "تو میں بھی آج تمہارے واسطے ایک روح افزا پیغام لایا ہوں۔ محمود بولا :۔ "فرمائیے"۔ شیخ صاحب داڑھی پر ہاتھ پھراتے ہوئے بولے :۔ "بات یہ ہے کہ بزرگوں کا قول ہے کہ کنوارے آدمی کا ایمان نہیں ہوتا۔ مجرد زندگی جانوروں کی زندگی سے بھی بدتر ہے۔ بغیر شادی شدہ انسان کا دنیا میں کوئی دوست کوئی ہمدرد کوئی مونس نہیں ہوتا ذرا تم ہی بتاؤ دنیا میں کوئی تمہارا دوست ہے؟ محمود نے سنجیدگی سے جواب دیا :۔ "میں تو تمام دنیا کو اپنا دوست سمجھتا ہوں! شیخ صاحب بولے :۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کوئی مخلص دوست ہے تمہارا؟" — محمود بولا :۔ میرے مخلص دوست ایک دو نہیں بلکہ کئی ہیں"۔ — شیخ صاحب "مثلاً" — ؟ محمود نے :۔ روسکلمینٹ اخبار ایک "مجھ کو اپنے کندھوں پر بٹھائے لئے پھرنے والی بائیسکل دو" رات کو مجھ کو اپنی آغوش میں آرام سے سلانے والی چارپائی تین" اور...... شیخ صاحب بیچ میں بول اٹھے کیا کہہ رہے ہو؟ — میں پوچھتا ہوں کوئی انسان ہے دوست تمہارا۔ محمود شرارت سے بولا :۔ "آپ کے علاوہ میرے سب دوست انسان ہی ہیں! —

شیخ صاحب نے انتہائی لجاجت سے کہا نہ بھائی میرا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں اگر کوئی حقیقی دوست ہو سکتا ہے تو وہ اپنی شریک حیات۔ بیوی صاحبہ ہو۔ محمود نے مخزنہ ہو بولا :۔ "آخر آپ کا مطلب کیا ہے جو آپ ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں ذرا صاف صاف بتائیے"۔ شیخ صاحب کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے :۔ "اب آئے ٹھکانے پر۔ میرا مطلب ایک نیک مطلب ہے اور وہ یہ مطلب یہ ہے کہ اب تم کو شادی کر لینا چاہیئے"۔ محمود نے چونک کر شیخ صاحب کو گھورتے ہوئے کہا :۔ "آج آپ کو ہو کیا گیا ہے جو ایسی ناشائستہ گفتگو کر رہے ہیں ؟ شیخ صاحب گردن ہلا کر بولے :۔ "تم ابھی ناسمجھ ہو۔ نادان ہو۔ دنیا کے نشیب و فراز سے بے بہرہ ہو۔ میں تمھاری بھلائی کا خواہاں ہوں اس لئے اب میں تم کو کنوارا نہیں رہنے دے سکتا۔ یہ میرا فرض ہے۔ اور جبکہ خوش قسمتی سے ایک سنہری موقعہ بھی ہاتھ آ گیا ہے"۔ محمود کا ٹمپریچر تیزی کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔ اخبار ملاپ کے اشتہاروں کی لگائی ہوئی آگ پر شیخ صاحب کی گفتگو تیل کا کام کر رہی تھی۔ محمود نے تیوری میں بل ڈالتے ہوئے چہرہ کو انتہائی بھیانک بناتے ہوئے کہا :۔ "شیخ صاحب کیسا فرض کیسی خوش قسمتی اور کیسا سنہری موقعہ جس طرح کا بک کے خانوں میں بند کر کے کبوتروں کے جوڑے لگائے جاتے ہیں اسی طرح آپ جیسے بدشرم لوگ مرد اور عورتوں کو بڑے دھوم دھڑکے کے ساتھ ایک کوٹھری میں بند کر دیتے ہیں اور اسی بیہودہ رسم کو آپ "شادی"

کہتے ہیں۔ آپ شربت کے دھوکے میں مجھ کو زہر پلانا چاہتے ہیں میری زندگی برباد کرنے کے خواہاں ہیں مجھ کو تباہ کرنے کے متمنی ہیں۔ مجھ کو غلام بنانا چاہتے ہیں اور وہ بھی ایک عورت کا"۔ شیخ صاحب محمود کی تیزی کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہوئے متبسم ہو کر بولے: "زہر پلانے زندگی برباد کرنے تباہ کرنے اور غلام بنانے کا عقدہ تو شادی کے بعد کھلے گا۔ تمام عمر شیخ کو یاد کرو گے اور دعائیں دو گے۔ یہ تمہاری بیزاری اور اظہار ناراضگی وغیرہ وغیرہ صرف کم فہمی پر مبنی ہے لیکن میں تمہاری بیہودی سے باز آجاؤں یہ ناممکن ہے جو کچھ کہہ رہا ہوں پہلے اس کو ٹھنڈے دل سے سن لو پھر جو دل میں آئے کرنا اور کہنا..... پرسوں ظفر علی خاں کے یہاں دعوت میں قمر احمد صاحب وکیل سے جو میں نے تمہارا تعارف کرایا تھا تو وکیل صاحب کچھ ایسے تمہارے گرویدہ ہو گئے کہ کل وہ خود میرے مکان پر تشریف لائے اور تمہاری صورت و سیرت کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے تمہارے متعلق مفصل معلومات حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اب میرے لئے یہ سمجھنا کوئی مشکل نہ تھا کہ وکیل صاحب کی تم سے غیر معمولی دلچسپی کوئی خالی از علت نہیں ضرور کچھ دال میں کالا ہے۔ اس لئے میں نے تمہارے حالات بتانے میں اپنے دماغ کی مشینری سے پورا کام لے کر وہ ہوائی قلعے قائم کئے کہ بس پوچھو مت۔ اتفاق سے وکیل صاحب کی اکلوتی لڑکی، زاہدہ جو غضب کی حسین ہے اور جس نے پچھلے ہی سال اونچے

یونیورسٹی سے بی۔اے کا امتحان پاس کیا ہے کنواری ہے اس کی شادی کے فرض کی ادائیگی سے وکیل صاحب جلد از جلد اب نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں اس وجہ سے انھوں نے تمھارے متعلق مکمل واقفیت حاصل کر کے مسرور ہوتے ہوئے مجھ سے کہا کہ شیخ صاحب اگر یہ نوجوان زاہدہ کے ساتھ ازدواجی زنجیر سے وابستہ کر دیا جائے تو آپ کے خیال میں یہ شادی کیسی رہے گی؟ میں نے تڑپ کر کہا :- بہت خوب! وکیل صاحب بولے۔ کیا محمود راضی ہو جائے گا؟ اس کے جواب میں میں نے کہا یہ میرا ذمہ۔ بلکہ میں نے تو آج سے تمہاری شادی کی تاریخ اور دن تک مقرر کر لیا ہے۔ آج سے ٹھیک چوتھے روز تم دولھا بنو گے، باجہ بجے گا۔ پلاؤ، زردہ، بریانی، قورمہ وغیرہ وغیرہ وغیرہ کھانے کو ملیگا۔ دلہن گھر میں آئے گی۔ ہاتھی۔ گھوڑے۔ موٹر بگھی۔ تانگہ۔ ٹمٹم اور ہاں ...... محمود نے جھنجھلا کر شیخ صاحب کا قطع کلام کرتے ہوئے بلند آواز سے کہا :- لاحول ولا قوۃ۔ چپ رہئے۔ آپ میری خموشی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ آپ میرے ہمدرد ہیں آپ نے میری شادی کیا بلکہ بربادی کا ذمہ لیا ہے۔ دن تاریخ بھی مقرر کر لی ہے۔ تو پھر وکیل صاحب کی لڑکی سے آپ ہی شادی بھی کر لیجئے۔ آپ جیسے شادی کے حامی کے لئے اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ اب آپ ایک عدد بیوی کے شوہر ہیں جب دو عدد بیویوں کے شوہر ہو جائیں گے عقلمند آدمی برسات کے

ہوسم میں ایک کے بجائے دو چھتریاں رکھتے ہیں تاکہ اگر ایک گم جائے تو دوسری سے کام لیا جاسکے جائیے اور جلد جائیے اور اپنی شادی تیاریاں کیجئے میرے حال پر کرم فرمائیے۔ شیخ صاحب کچھ بہجین سے ہوکر منکسرانہ انداز سے بولے :۔ بھائی محمود سنو تو۔ تم تو بلا وجہ بھڑک گئے۔" محمود نے وحشیانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا! اب آپ برائے مہربانی میرا دماغ چاٹنے کی زحمت نہ اٹھائیے اور میرے اوپر رحم فرماکر اپنی تشریف لے جائیے اور آئندہ کبھی میرے یہاں آنے کی قباحت نہ کیجئے میں نے آج سے آپ کی دوستی کو بھی طلاق دی۔ میں آپ کو ہیرا تصوّر کئے ہوئے تھا اور آپ نکلے پتھر"۔ آخر شیخ صاحب بھی گرم ہوگئے انکے تمام جسم میں سنسنی پیدا ہوگئی۔ اور یہ تڑپ کر کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور خونخوار نظروں سے محمود کو دیکھتے ہوئے چیخ کر بولے : " تم آدمی نہیں ہو بلکہ بندر ہو بندر! اور واک آؤٹ کر گئے ___ محمود نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور بیٹھکر سوچنے لگا۔ کہ اب ہم کنواروں کو اشد ضرورت ہے کہ جلد از جلد ایک زبردست انجمن قائم کرلیں اور جس کا نام انجمن انسداد بیرحمی کنواراں رکھا جاوے۔ ....

(باہتمام شیخ بہادر سنبھلی۔ اے۔ ون پنجاب اسٹار پریس بریلی میں چھپی)



L. RAM GOPAL
Member District War Committee
BAREILLY

Date	No.	Date	No.